دُنیا کی بساطِ سیاست

مولانا مظہر علی صاحب اظہر

ناشر

زمزم بک ایجنسی - لاہور

قیمت [illegible]

تعداد ایکہزار

دیباچہ

شطرنج کی بساط پر اسپ اور فیل، تیزی سے جگہ بدل لیا کرتے ہیں۔ مگر دُنیا کی بساطِ سیاست میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں شطرنج میں ان کی گنجائش کہاں۔ شطرنج کے مہرے اپنا رنگ لے کر بساط پر آتے ہیں۔ مگر انھیں رنگ بدلنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن سیاستِ عالم کے مہرے کسی رنگ کے پابند نہیں۔ وہ وقتی ضرورتوں اور آئندہ کی اُمیدوں کے چکر میں آکر رنگ بھی اکثر بدلتے رہتے ہیں۔

۱۹۱۴ء میں جاپان برطانیہ کے ساتھ تھا۔ مگر ۱۹۴۲ء میں مخالف ہے۔ ۱۹۱۴ء میں ترک برطانیہ کے دشمن تھے۔ مگر ۱۹۳۹ء کے آخر میں اس کے حلیف بن گئے۔ ۱۹۱۸ء میں اطالیہ برطانیہ کے دوش بدوش جرمنی سے لڑ رہا تھا مگر ۱۹۴۰ء میں وہ جرمنی کی طرف ہو کر برطانیہ سے دو بدو ہوا۔

غرض بساطِ عالم کی مسلسل تبدیلیاں نظامِ عالم میں کبھی انتشار اور کبھی طمانیت پیدا کرتی رہتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں بے سبب نہیں ہوتیں۔

قدرت کی مشین کے انسانی پرزے بہت سی حرکتیں سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔ پرانی دوستی کو توڑنا اور پرانے دشمنوں سے رشتہ جوڑنا کوئی آسان امر نہیں ہوتا۔ لیکن مفاد کی دنیا میں ہر نیا سورج نئی دوستیوں اور نئی دشمنیوں کے لئے راہ دکھاتا ہے۔

یہاں نہ دائمی دوستی کی توقع ہوتی ہے اور نہ کسی عداوت ہی کو پائدار سمجھا جا سکتا ہے۔ کل کے دشمن آج کے دوست ہیں۔ اور آج کے دوست کل کے دشمن ہوں گے۔

"دنیا کی بساطِ سیاست" کے پہلے حصہ کے صفحات میں سیاست عالم کی ان تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو موجودہ جنگ عالمگیر کے شروع ہونے تک ظاہر ہوئیں۔ ان میں زیادہ تر موجودہ صدی کی سیاست پر بحث کی گئی ہے۔ اس پہلے زمانے کی سیاست میں جنگ کے شروع ہونے کے بعد بہت ہی تبدیلیاں آئیں اور ان کا دنیا کی قسمت پر بے حد اثر ہوا ہے اور آئندہ ظاہر ہو گا۔

دنیا کی بساطِ سیاست پر نگاہ رکھنے والوں کو کسی عہد کے واقعات سے فوری اثر نہ لینا چاہیئے۔ کیونکہ ضرورت سے زیادہ متاثر ہونے والے اشخاص اس کی تبدیلیوں کو سمجھنے سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ اور حالات کا صحیح جائزہ لینے کے قابل نہیں رہتے۔

حالات پر ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیئے۔ سلطنتوں کی مشکلات کیا کچھ ہوتی ہیں۔ حکومتیں کیسے بنتی ہیں اور کیسے بگڑتی ہیں۔ قوموں کا عروج و زوال کس طرح ایک ایک انسان کی قابلیت و ناقابلیت یا ہوشیاری و غفلت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور قومی زندگی کو پیدا یا برقرار رکھنے کے لئے کس وسعتِ نظر، کس گہرائی فکر، اور کس شدتِ عمل کی ضرورت ہوتی ہے یہ سب کچھ زمانہ حال کی تاریخ کے مطالعے ہی سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ زمانہ گزشتہ کی تاریخ بھی بہت کچھ سکھاتی ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے زمانے کی رفتار پر نگاہ نہ رکھتے ہوں اور تاریخ حال کے طوفانوں کی کیفیت سے بے بہرہ ہوں وہ بنی نوع انسان کی خدمت درست طور پر انجام نہیں دے سکتے۔

زمانہ حال کی تاریخ ہمیں فقط جنگوں کی داستانیں ہی نہیں سُناتی بلکہ وہ قوموں کے ذہن، ان کے عمل، ان کے رجحانات کی تعبیر کرتی ہے جنھیں یہ پتہ نہ ہو کہ دُنیا میں کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ وہ خود کیا کریں گے۔ اور ان کے کئے کا کیا اثر ہوگا۔

مَیں نے اس مختصر سی کتاب میں واقعات کو پیش کرنے کی ناچیز کوشش کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض احباب کو میرے بیان کردہ دلائل و نتائج سے اختلاف ہو۔ اختلاف تو ہمیشہ ہُوا ہی کرتا ہے لیکن واقعات

کو رنگ آمیزی سے پیش کرنا۔ دلائل اور نتائج میں انتہا پسندانہ روش اختیار کرنا۔ یا مختلف حکومتوں کے کسی اچھے یا بُرے کام پر گرمجوشانہ تنقید کرنا میرے پیشِ نظر نہیں رہا۔ میرا مقصد تو فقط یہ ہے۔ کہ اُردو داں پبلک سیاستِ عالم کے بیسویں صدی کے واقعات کی ایک مختصر سی تاریخ اپنے سامنے رکھ سکے اور ان واقعات کے اُتار اور چڑھاؤ کو سمجھنے کے قابل ہو۔

اگر اس بارے میں میری محنت کچھ مفید ہو۔ اور سیاستِ عالم کے مطالعے کا شوق اُردو داں پبلک میں ترقی کرے تو شاید ہم دُنیا میں دوسری قوموں کے دوش بدوش کھڑا ہونے کے قابل ہو سکیں۔ نادان قومیں دانا قوموں کا لگّا نہیں کھا سکتیں۔ ہمیں واقعات کو جانچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ محض جہالت آمیز تعصّب ہماری مشکلوں کو آسان نہیں کر سکتا +

مظہر علی اظہر

فہرس

صفحہ	عنوان

فصل پنجم

بڑی طاقتوں کے باہمی تعلقات

فصل ششم

فصل ہفتم

فصل ہشتم

فصل نہم

فصل دہم

فصل یازدہم

فصل دوازدہم

فصل سیزدہم

دُنیا کی بساطِ سیاست

فصل اوّل

سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کی سیاست

دُنیا کی بساطِ سیاست کا مختصر سا خاکہ کھینچنے کے لیئے اس امر کی ضرورت ہے کہ سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کے وقت سیاستِ عالم کی جو کیفیت تھی اس پہ ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے۔

سنہ ۱۹۱۴ء کے ابتدائی ایام میں دُنیا کی سیاست کے دو بڑے رقیب برطانیہ اور جرمنی تھے۔ یورپ میں ایک عرصہ سے توازنِ اقتدار کے

اصول پر عمل ہو رہا تھا۔ اس اصول کا مقصد یہ تھا کہ یورپ کی سلطنتوں کے دیگر گروہ ایک دوسرے کے مقابلے پر جمے رہیں تاکہ کوئی ایک فریق سب پر غالب نہ آجائے۔ اس اصول کی سب سے زیادہ ضرورت برطانیہ کو تھی کیونکہ وہ یورپ کے شمال مغربی گوشہ میں ایک چھوٹے سے جزیرہ میں ہونے کے باعث متحدہ یورپ سے خطرہ محسوس کرتا تھا۔ برطانیہ کی حکومت یورپ کے علاوہ ایشیا۔ افریقہ۔ امریکہ اور بحر الکاہل کے وسیع رقبوں میں اپنے قدم مضبوطی سے جما چکی تھی اور اس کو خطرہ تھا کہ جو اقتدار اسے دنیا کے ہر گوشے میں حاصل ہو چکا ہے وہ یورپی طاقتوں کے اتحاد کے باعث خطرے میں نہ پڑ جائے۔

جب یورپ میں اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں فرانس کی قوت سر اٹھاتی نظر آئی اور نپولین اعظم نے فرانس سے نکل کر اٹالیہ سپین۔ آسٹریا اور جرمنی وغیرہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا تو برطانیہ کو یہ فکر رہی کہ فرانس کی اس خطرناک قوت کو توڑ دیا جائے اس لئے اس نے روس اور یورپ کے دوسرے ملکوں کی ہمنوائی کر کے نپولین کے خلاف اپنی جنگی کارروائیوں کو جاری رکھا حتیٰ کہ نپولین کی طاقت ختم ہو گئی اور وہ واٹرلو کے میدان میں برطانیہ اور جرمنی کی متحدہ فوجوں کے مقابلے میں شکست کھا کر برطانیہ کا قیدی بن گیا اور اپنی زندگی

کے آخری دن سینٹ ہیلینا کے جزیرے میں گزار کر اس دنیا سے رخصت ہوا۔

انیسویں صدی کے شروع میں اس عظیم الشان کامیابی نے برطانیہ کو کئی پشتوں کے لئے دنیا میں ہر طرف صاحب اقتدار بنا دیا۔ ہندوستان مصر۔ سوڈان وغیرہ ممالک پر برطانیہ کا قبضہ اس جہاں پناہی اقتدار کا ذریعہ اور ثبوت ہے۔

فرانس کی قوت نپولین کی شکست کے بعد برطانیہ کیلئے خطرناک نہ رہی۔ کچھ عرصے کے بعد یورپ میں جرمنی نے پر پرزے سنبھالنے شروع کر دیئے۔ پہلے تو وہ بے شمار مختلف ریاستوں کا ایک ملک ہوتا تھا لیکن پروشیا کی ریاست سب سے بڑی تھی۔ اس نے دوسری ریاستوں کو اپنے ساتھ شامل کر کے جرمن اقتدار کی بنیاد یورپ کے وسطی علاقے میں رکھدی جرمنی کی طاقت اس قدر بڑھ گئی کہ ۱۸۷۰ء میں اس نے فرانس کے خلاف جنگ کر کے اُسے شکست دی اور پیرس پر قبضہ کر لیا۔ آخر صلح ہوئی اور اب جرمنی یورپ میں ایک نمایاں اور صاحب اقتدار حکومت کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگا۔

الغرض انیسویں صدی کے شروع میں برطانیہ کو فرانس سے جو خطرہ تھا۔ وہ انیسویں صدی کے آخر میں جرمنی سے پیدا ہونے لگا۔ جرمنی

نے آسٹریا اور اطالیہ کی حکومتوں سے میثاق اتحاد کیا اور دوسری طرف روس اور فرانس نے ان کا مقابلہ کرنے کے لیئے باہمی اتحاد کی بنیاد ڈالی۔ برطانیہ کے مفاد فرانس اور روس کے ساتھ وابستہ تھے۔

مگر بیسویں صدی کے شروع میں جاپان نے روس کو شکست دے کر سیاستِ عالم کو ایک اور چکر دیا۔ اب تک تو یورپ اس خیال میں تھا کہ دنیا کی قسمت کا فیصلہ اسی کے ہاتھوں میں ہے مگر اب مشرقِ بعید میں جاپان کی قوت نظرانداز نہ کی جاسکتی تھی۔

۱۹۰۸ء میں اور اس کے بعد جنگ عظیم کا خطرہ یورپ میں روز بروز بڑھتا جارہا تھا۔ دنیا کی نگاہیں جرمنی اور برطانیہ کی رقیبانہ جد و جہد پر لگی تھیں اور یہ دونوں سلطنتیں ایک دوسرے کی طرف گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں۔

آسٹریا کو جرمنی سے علیحدہ کرنا مشکل تھا۔ کیونکہ آسٹریا کا شاہی خاندان بھی جرمن نسل سے تھا اور آسٹریا کی شہنشاہی میں آسٹریا کا خاص صوبہ بھی خالص جرمن آبادی پر مشتمل تھا۔ گو یہ جرمن آبادی دوسری قوموں کے مقابلے میں ایک اقلیت تھی۔ مگر فی الحقیقت حکمران یہی تھی۔ اور ہنگری وغیرہ کے لوگ اس سے دوسرے درجے پر تھے۔ آسٹریا فوجی حیثیت سے بھی ایک بڑی قوت تھا اور اس کا جنگی بیڑہ

بھی بحیرۂ ایڈریاٹک میں جو بحیرہ روم کے ایک گوشے میں ہے کافی قوت رکھتا تھا۔

اگر اطالیہ بھی جرمنی اور آسٹریا کے ساتھ رہتا۔ تو اس سے جرمنی کو بہت فائدہ تھا۔ مگر اس صورت میں فرانس اور برطانیہ کو سخت تکلیف کا سامنا ہوتا۔ کیونکہ ہندوستان۔ مصر۔ سوڈان۔ اور دیگر مشرقی ممالک کے ساتھ برطانیہ کی آمد و رفت جاری رکھنے کے لئے بحیرۂ روم اور نہر سویز پر برطانوی اقتدار لازمی ہے۔ اور اسی طرح فرانس کے لئے بھی اپنی افریقی اور ایشیائی نوآبادیوں سے تعلق قائم رکھنے کے لئے اس سمندر میں فائق حیثیت ضروری ہے۔ اس لئے فرانس اور برطانیہ کو مجبوری تھی۔ کہ وہ کسی نہ کسی طرح اطالیہ کو جرمنی اور آسٹریا سے علیحدہ کریں۔

چنانچہ اُنہوں نے ۱۹۱۱ء میں اطالیہ کو طرابلس پر قبضہ کرنے میں جو کچھ سیاسی امداد ہو سکتی تھی دی اور برطانیہ نے مصر سے ترکی فوجوں کو راستہ دینے سے انکار کر کے اطالیہ کو اپنا ممنونِ احسان بنایا۔ اس طرح ترکی کے خرچ پر فرانس اور برطانیہ نے بحیرۂ روم میں اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے اطالیہ کو افریقہ میں طرابلس کا ملک اور اناطولیہ کے ترکی ساحل کے قریب روڈس اور بارہ

جزیروں کا خطرہ دلایا ؎

مگر اطالیہ نے جس طرح برطانیہ اور فرانس کو اُمیدیں دلائیں اسی طرح وہ جرمنی اور آسٹریا کو بھی اُمیدیں دلاتا اور اُن کی دوستی کا دم بھرتا رہا۔ وُہ کنارے پر بیٹھکر دونوں طرف سے مطلب حاصل کرنے کے درپے ہوُا۔

مگر فرانس اور برطانیہ اطالیہ کی قوت اور کمزوری سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ طرابلس اور بارہ جزیروں میں اطالیہ جلدی فوجی استحکامات نہیں کرسکتا۔ اس لئے وہ کافی عرصہ تک اُن کے خلاف لڑائی میں حصّہ لینے کے ناقابل ہے۔ حکومت کا دائرہ وسیع ہونے سے اطالیہ کی قوت منتشر ہوئی اور وہ اپنے فائدے کی خاطر اپنے پُرانے دوستوں کی امداد سے ہاتھ کھینچنے پر مجبور رہوُا۔

بلقان کی ریاستوں میں سے سرویا اور مانٹی نیگرو تو فرانس کے زیر اثر تھیں۔ وہ رُوس اور برطانیہ کے ساتھ بھی اچھے تعلّقات رکھتی تھیں۔ رومانیہ بھی برطانیہ اور فرانس کے ساتھ تھا۔ رُوس کا بھی اس پر دباؤ پڑتا تھا۔ ۱۳-۱۹۱۲ء کی بلقان کی لڑائی میں ترک یورپ میں اپنے مقبوضات ماسوائے پنتالیس میل کے ایک مثلث رقبہ کے“ سب کھو چکے تھے۔ یونان۔ بلغاریہ۔ سرویا اور مانٹی نیگرو کی ریاستیں

ترکی سلطنت کے ٹکڑوں کو ہضم کر کے مضبوط ہو رہی تھیں۔

جرمنی اپنا جنگی بیڑہ مضبوط کر چکا تھا۔ اور اس کی کوشش اور خواہش یہ تھی۔ کہ وہ برطانیہ کو لڑائی سے علیحدہ رکھکر پہلے فرانس اور رُوس سے نبٹ لے اور بعد میں برطانیہ سے اپنا حساب چکائے مگر برطانوی مدبّر بھی غافل نہ تھے۔ وہ جرمنی کو اب کوئی اور موقع دینے کو تیار نہ تھے بلکہ وہ تو موقع کی تلاش میں تھے کہ اگر روس فرانس اور دوسری سلطنتیں جرمنی کے خلاف لڑنے کو تیار ہوں۔ تو وہ بھی اپنی قوت جرمنی کے مخالف پلڑے میں ڈال کر اس کو ہوا میں اُڑا دیں چنانچہ برطانوی تدبیر نے اپنے ہاتھ دکھائے۔ لنڈن کے جرمن سفارتخانے نے قیصر ولیم کی حکومت کو بار بار یقین دلایا۔ کہ اگر جرمنی نے فرانس اور روس سے جنگ کی تو برطانیہ غیر جانبدار رہیگا۔ جرمن سفارتخانے کے قابل افراد یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ وہ برطانیہ جو رُوس اور فرانس کی امداد کے لئے جنگ میں کُودنے سے انکار کرتا ہے بلجیم کی امداد کے بہانے سے جنگ میں شامل ہو جائیگا۔ ۱۹۱۴ء کے موسم بہار کی برطانوی سیاست یہی تھی۔ کہ جرمنی کو دوسری یورپی طاقتوں سے جنگ میں اُلجھنے پر تیار ہونے دیا جائے۔ اور جب وہ دونوں طرف سے گھر جائے تو پھر خود بھی قدم آگے بڑھایا جائے۔ ۱۹۱۴ء کی جرمن

سیاست کی سب سے بڑی غلطی یہی تھی۔ کہ وہ برطانیہ کے حقیقی عندیہ کو سمجھنے سے قاصر رہی۔

جرمنی اور آسٹریا یہ سمجھکر کہ اطالیہ جنگ میں اُن کا ساتھ دیگا۔ اور برطانیہ غیر جانبدار رہے گا۔ لڑائی پر تُل گئے۔ اُدھر روس اور فرانس یہ جانتے تھے۔ کہ اطالیہ لڑائی میں اُن کی مخالفت نہ کریگا! ور برطانیہ اُن کا ساتھ دے گا۔ اس لئے وہ بھی لڑائی پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ فرانس نے ۱۸۷۰ء کی شکست کا بدلہ لینا تھا! ور روس نے ترکی حکومت کو ختم کر کے اناطولیہ قسطنطنیہ اور درِ دانیال کی اُمیدیں لگائی تھیں۔ اور اس کو ایسی امیدیں رکھنے کی اجازت بھی اپنے مغربی حلیفوں سے مل چکی تھی۔ کیونکہ برطانیہ اور فرانس رُوس کے بغیر جرمنی سے عہدہ برا ہونا ناممکن سمجھتے تھے۔ اس لئے ہر طرح کی اُمیدیں دلا کر اس کو ساتھ رکھنے پر مجبور تھے۔

آسٹریا کا ولیعہد سلطنت سرائے جیوو کے ریل کے سٹیشن پر ایک سروی دہشت انگیز کی گولی کا نشانہ بنا۔ یہ جولائی ۱۹۱۴ء کا زمانہ تھا۔ آسٹریا نے سرویا پر چڑھائی کر دی۔ رُوس نے سرویا کی امداد کے نام پر آسٹریا کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اگلے روز جرمنی نے آسٹریا کی امداد کے وعدے کو پُورا کرنے کے لئے رُوس کے خلاف

اعلان جنگ کر دیا۔ فرانس نے اپنے وعدے کے مطابق روس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور جرمنی کے خلاف لڑائی کا اعلان کر دیا۔

جرمنی نے اپنی جنگی تدبیریں فرانس پر یکایک حملہ کرنے کو سب سے اوّل جگہ دی تھی! وہ حملہ کا راستہ بلجیم میں سے اختیار کرنا تھا۔ برطانیہ کو اس کی خبر تھی۔ اور اس کے مدبروں نے جب جرمن افسروں سے یہ کہا تھا۔ کہ وہ فرانس اور رُوس کی خاطر جرمنی سے لڑائی مول نہ لیں گے تو اُن کے ذہن میں یہی بات تھی۔ کہ وہ روس اور فرانس کی امداد کے نام پر جرمنی کو کیوں ڈرائیں۔ جب جرمنی بلجیم سے گزرے گا تو فوراً جنگ کا اعلان کر دیا جائیگا۔ کیا جرمن مدبّر برطانیہ سے یہ سوال کرنے سے قاصر رہے کہ فرانس پر بلجیم کی جانب سے حملہ کرنے کی صورت میں برطانیہ کا رویّہ کیا ہوگا؟ غالباً وہ برطانیہ کو یہ بتانا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ کہ ہماری فوجی سکیم کیا ہے مگر یہ احتیاط ہی اُن کے لئے ایک جال بن گئی۔ جس میں وُہ پھنس کر رہ گئے۔ وہ اپنی فوجی سکیم برطانیہ سے چھپا رہے تھے اور برطانیہ اپنی جنگی تدبیر ان سے چھپائے تھا۔ انگریزی ضرب المثل خوب بتاتی ہے کہ عشق اور جنگ میں ہر بات جائز ہے ۔

جرمنی نے اپنی جنگی سکیم کے مطابق بلجیم کی غیر جانبداری کو توڑا اور

بلجیم کی فوجوں کو دھکیلتے ہوئے جرمن لشکر فرانس میں گھس گئے ۔ جرمنی نے بڑی تیزی سے پیشقدمی کی ۔ مگر برطانیہ اسی موقع کی تلاش میں تھا ۔ بلجیم کی غیر جانبداری قائم رکھنے کی ذمہ داری ایک معاہدہ کی رُو سے برطانیہ نے لے رکھی تھی ۔ جرمنی بھی اس معاہدہ کا ایک فریق تھا ۔ جرمنی نے اپنی مطلب برآری کے لئے بلجیم کی غیر جانبداری کا رشتہ توڑا ۔ اور برطانیہ نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے بلجیم کی غیر جانبداری کے توڑے جانے کو بہانہ ٹھیرایا ۔ اور جرمنی کے خلاف نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کر دیا ۔

اس طرح جرمنی کی لڑائی کی سب تجویزیں زیر و زبر ہو گئیں ۔

انگریزی سمندری بیڑے نے جرمنی کی بحر شمالی میں اور آسٹریا کی بحیرہ روم میں ناکہ بندی کر دی ۔ فرانس اور بلجیم کے میدانوں میں انگریزی فوج پہنچ گئی اور اس نے جرمنی کے طوفانی حملوں کو روکنے میں فرانسیسیوں کا ساتھ دیا ۔

دوسری طرف رُوس کی حکومت نے مغرب کے حوصلہ افزا حالات کو دیکھ کر جرمنی کے ملک پر یورش کر دی ۔ جرمنی کی خواہش تو یہ تھی کہ وہ تھوڑی سی فوج سے مشرقی محاذ پر رُوس کو روکے رکھے اور مغربی محاذ پر فرانس کو فی الفور کچل کر رکھدے مگر رُوس نے مشرقی پروشیا میں آگے بڑھکر جرمنی کی سکیم کو ناکارہ بنا دیا اور گو مارشل ہنڈنبرگ نے ٹانبنرگ کی لڑائی میں

روسیوں کو شکست فاش دے کر پیچھے دھکیل دیا۔ تاہم فرانس اور برطانیہ کا مقصد حل ہو گیا۔ کیونکہ جرمن فوجوں کی پیشقدمی فرانس میں رک گئی۔ وہ فوج اور سامان جو پیرس پر قبضہ کرنے کے لئے درکار تھا۔ قبل از وقت روس سے مدافعت کے لئے مشرقی محاذ پر پہنچانا پڑا۔ لڑائی طول کھینچ گئی اور یہ جرمنی کے لئے غیر مفید تھا۔

برطانیہ کے لڑائی میں کودنے کا فوری اثر یہ بھی ہوا کہ مشرق بعید میں جاپان نے برطانیہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور برطانیہ کی شہ، بلکہ اجازت سے جرمنی کے ان مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ جو چین اور بحر الکاہل میں تھے۔ اس طرح بحر الکاہل کے جرمن جزیرے اور چین کی جرمن بندرگاہیں اور علاقے جاپان کے ہاتھوں میں آ کر آئندہ مخاصمت کی بنیاد بنے۔ مشرقِ بعید میں جرمن اقتدار بالکل ملیامیٹ ہو گیا کیونکہ یہاں جاپان کی عظیم بحری اور فوجی قوت کے مقابلے میں جرمن بحری بیڑے اور فوج کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

جرمنی اور آسٹریا کی امداد کے لئے کوئی قوم میدان میں آنے کو آمادہ نہ تھی۔ مگر سیاستِ عالم کے چکر نے پہلے ترکی کو اور پھر بلغاریہ کو ان کے پہلو بہ پہلو کھڑا کر دیا۔ روس چاہتا تھا کہ وہ جنگِ عظیم کے بعد ترکی کے علاقوں پر قبضہ کرے۔ فرانس اور برطانیہ اس مطالبے سے انکار کرتے

تو روس ان کا ساتھ نہ دیتا۔ اس لئے انہوں نے روس کے مطالبہ کو نہ ٹھکرانا ہی مناسب سمجھا۔ وہ روس کا بحیرۂ اسود سے بحیرہ روم تک بڑھ آنا پسند نہ کرتے تھے لیکن وہ وقت جنگِ عظیم میں کامیابی کے بعد ہی آ سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے جرمنی کے موجودہ خطرہ کو ٹالنے کے لئے روس کی آیندہ امیدوں پر پانی نہ پھیرنا ہی پسند کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ آج جرمنی سے نبٹ لیں پھر جو ہوگا دیکھا جائیگا۔

روس کی طرح اطالیہ بھی مزید مراعات کا طلبگار تھا۔ اس کی نگاہیں بھی سمرنا اور اناطولیہ کے میدانوں پر پڑ رہی تھیں۔ جہاں وہ اپنی نوآبادیاں بنانے کا ارمان رکھتا تھا۔ وہ ایڈریاٹک کے آسٹروی ساحل پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ بحیرہ ایڈریاٹک اس کا اپنا سمندر بن جائے اور محض ایک اطالوی جھیل کی حیثیت اختیار کرلے۔

ترکوں کی جان عجب کشمکش میں تھی۔ وہ طرابلس اور بلقان کے علاقے تین برس کے اندر اندر گنوا چکے تھے! اور اب لڑنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن ان کو روس کی طرف سے جو خدشات تھے۔ وہ انہیں چین نہ لینے دیتے تھے۔ ان کو معلوم ہوا۔ کہ جنگ کے بعد تک ترکی کی قسمت کا فیصلہ ملتوی کیا گیا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر جرمنی کو شکست ہوگئی۔ تو پھر ترکی تنہا ایک ٹھنڈا لقمہ ہو کر رہ جائیگا جس کا نگلنا کوئی مشکل کام نہ ہوگا۔

انہوں نے اس بات کی بھی کوشش کی۔ کہ وہ برطانیہ۔ فرانس اور روس کا ساتھ دے کر ان کی دوستی حاصل کریں اور اس طرح اپنے آپ کو آنے والی تباہی سے بچائیں۔ مگر روسی حکومت ترکوں کو اپنا دوست بنا کر اُن کے ملک سے دستبردار ہونے کی خواہاں نہ تھی۔ اس کیلئے ایک عمر کے بعد ایک ایسا موقع آیا تھا۔ کہ اس کی رقیب سلطنتیں فرانس اور برطانیہ جو اس کو دردانیال پر قابض دیکھنا پسند نہ کرتی تھیں۔ آج اس کے مطالبات سے انکار کرنے سے عاجز تھیں۔ اس لئے وہ بھی ایسا سنہری موقع ہاتھ سے کھونے کو تیار نہ تھا۔

ترکی مدبر ایک سفارت خانے سے دوسرے سفارت خانے میں امداد کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے گئے۔ کہ ہم کو جرمنی اور آسٹریا کے خلاف لڑنے کا موقع دیا جائے۔ مگر روسی اور اتحادی سیاست اس ہاتھ کو پکڑنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ ترکوں نے سمجھا کہ جنگ میں غیر جانبدار رہنے سے اُن کی سلطنت کا جنگ کے بعد خاتمہ ہونا یقینی ہے۔ اس لئے جب تک جرمن اور آسٹریا کی فوجیں لڑ رہی ہیں۔ ہمیں بھی اُن کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ مرنے سے پہلے بچنے کی آخری تدبیر ہو سکے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۱۴ء میں اُنہوں نے بھی جنگ عظیم میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا اور اس طرح جرمنی اور آسٹریا کو ایک اور حلیف میسّر آیا۔

ترکی کے جنگ میں شامل ہونے اور ایک عرصہ رُوس۔ برطانیہ اور فرانس کی فوجی اور بحری قوتوں کا تن تنہا مقابلہ کرنے سے بلغاریہ کو بھی امید ہوئی۔ کہ شاید یہ پلڑا ہی بھاری نکلے۔ اس کو سرویا۔ رومانیہ اور یونان سے جنگ بلقان کے بعد شکست ہوئی تھی۔ اور اس کو ان سب سے پرخاش تھی۔ اس کی سیاست بھی اسے جرمنی کے آغوش میں لے گئی۔

اتحادیوں نے سرویا کی امداد کے لئے سالونیکا میں فوجیں اُتارنے کا فیصلہ کیا۔ سالونیکا بھی عہدنامہ کی رُو سے غیر جانبدار قرار دیا گیا تھا یہ غیر جانبداری بھی بلجیم کی غیر جانبداری کی طرح ایسی تھی۔ کہ یہاں لڑنے کی اجازت ہی نہ تھی۔ ان علاقوں کو نیوٹرل (غیر جانبدار) نہ کہا جاتا تھا بلکہ نیوٹریلائزڈ (غیر جانبدار کردہ) NEUTRALISED کہا جاتا تھا۔ گویا یہ علاقے ایسے تھے۔ جن کو باہمی معاہدوں کی رُو سے ایسے علاقے قرار دیا گیا تھا۔ جو نہ خود کبھی لڑائی میں حصہ لیں اور نہ وہاں قبضہ کرکے کوئی ملک کسی دوسرے ملک پر چڑھائی کرے۔

جس طرح جرمنی نے بلجیم کی غیر جانبداری کے پرخچے اڑائے تھے۔ اُسی طرح برطانیہ اور فرانس نے سالونیکا کی غیر جانبداری کے معاہدوں کو بالائے طاق رکھا۔ سچ ہے بڑی بادشاہیوں کی لڑائیوں میں عہدنامے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ عہدنامے فائدہ اُٹھانے کے لئے ہوتے ہیں۔

نقصان اُٹھانے کے لئے نہیں۔ جو عہدنامہ کسی وقت نقصان کا باعث ہو اُس کو غلط سمجھا جاتا ہے اور غلطی کا ازالہ کرنا ہر عقلمند کا کام ہے۔ مگر اس طرح ہر عقلمند وہ کام کرتا ہے جس کے لئے وہ دوسروں کو موردِ الزام ٹھیراتا ہے اور دنیا ایک جنگ سے دوسری جنگ کی طرف تیزی سے قدم بڑھاتی ہے۔

ترکی اور بلغاریہ جرمنی کے ساتھ ہو گئے۔ رومانیہ وغیرہ نے اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ کئی برس لڑائی کا رنگ دیکھنے کے بعد آخر اطالیہ بھی اپنی امیدیں لیکر لڑائی میں اتحادیوں کا ساتھی بنا۔ جرمنی اور آسٹریا کی اُمیدوں پر ایک اور چوٹ لگی۔ اطالیہ اُن کے ساتھ جنگ میں شریک تو نہ ہوا تھا لیکن اب دوسرا پلڑا بھاری دیکھکر اُدھر شامل ہو گیا۔ آخر کار امریکہ بھی لڑائی میں کود پڑا اور اتحادیوں کا حامی بن گیا۔

مگر امریکہ کے لڑائی میں آنے تک مشرقی محاذ چکنا چور ہو چکا تھا۔ روس نے سب سے زیادہ فوج میدانِ جنگ میں لاکھڑی کی تھی۔ لیکن اس کو سامانِ جنگ کی امداد باہر سے نہ پہنچ سکتی تھی۔ مزید برآں جرمن اور آسٹریا کی فوجیں روس پر متحدہ حملہ کر سکتی تھیں اور اب جنوب سے ترکی لشکروں سے بھی مڈبھیڑ ہو رہی تھی۔ اس لئے روس کا نظامِ حکومت فوجی اور دیوانی دونوں لحاظ سے پراگندہ ہو گیا۔ شکست خوردہ فوجوں اور مصیبت زدہ

مزدوروں نے اپنے حکمران طبقہ کے خلاف بغاوت کردی اشتراکیت کے خیالات پہلے سے ملک میں موجود تھے۔ زار کی استبدادی حکومت کو ایک ایسا دھکا لگا۔ کہ وہ سنبھل نہ سکی جرمنی کے ساتھ روس کو علیحدہ عہدنامہ کرنا پڑا اور برسٹ لٹوسک کے معاہدے کے ذریعے جنگ کا ۱۹۱۷ء میں خاتمہ ہوگیا۔ روس میں کرنسکی کے ماتحت پہلی اشتراکی حکومت قائم ہوئی۔ جو ایک برس تک برسرِ اقتدار رہی۔

جرمنی اور آسٹریا کے لشکر رومانیہ اور بلقان کو روندتے یونان تک پہنچے اور اتحادی فوجوں سے لڑنے لگے۔ اُدھر اطالیہ اور آسٹریا کی سرحد پر لڑائی ہونے لگی۔

اس دوران میں فرانس نے اپنی قوت کو کافی مضبوط کرلیا تھا۔ انگریزی فوجیں بھاری تعداد میں فرانس میں جمع ہوچکی تھیں امریکہ سے بھی تیس لاکھ فوج فرانس آچکی تھی۔ الغرض ۱۹۱۸ء میں مغربی محاذ پر تیس لاکھ امریکن فوج۔ تیس لاکھ فرانسیسی فوج اور ۳۴ لاکھ انگریزی فوج یعنی کل ۹۴ لاکھ فوج تھی۔ اطالیہ کی بھی بیس بائیس لاکھ فوج جرمن لشکروں سے مار کھانے کو موجود تھی۔

مگر روس پر فتح پانے کے باوجود جرمنی کی حالت نازک ہو رہی تھی۔ کیونکہ اوّل تو ناکہ بندی نے ملک میں کھانے پینے کی چیزوں

اور سامان جنگ کا خط کر دیا تھا۔ دوسرے چار برس کی لڑائی میں لاکھوں جوان قتل ہو چکے تھے۔ فرانس اور برطانیہ کو اپنی وسیع سلطنتوں سے ہر طرح کی امداد حاصل تھی۔ اور اب اطالیہ اور امریکہ کی تازہ دم فوجیں بھی میدان میں آگئی تھیں۔ ان کو سامان رسد اور سامان جنگ کی کوئی کمی نہ تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ۱۹۱۸ء کے موسم بہار میں ایک وقت ایسا آگیا تھا۔ کہ انگلستان میں فقط ایک ہفتے کی خوراک باقی تھی۔ کیونکہ جرمن آبدوزوں نے رسد لانے والے جہازوں کو تیزی سے غرق کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اپریل ۱۹۱۸ء میں ہی آٹھ لاکھ ٹن سے زیادہ وزن کے تجارتی جہاز غرق ہو چکے تھے۔ لیکن جرمنوں کو اپنی کامیابی کا علم نہ تھا عین اس وقت جب کامیابی اُن کے قدم چومنے والی تھی۔ اُنہوں نے اپنے پاؤں کو سکیڑ لیا اور آبدوزوں کے حملوں کی رفتار ڈھیلی کر دی۔ یہی ڈھیل ان کی شکست کا آخری باعث ہوئی۔

جرمنی کی شکستہ حالی کا اثر اس کے ساتھیوں پر بھی ہوا۔ پہلے بلغاریہ نے ہتھیار ڈال دیئے پھر ترکی نے عارضی صلح کی درخواست کی۔ پھر آسٹریا نے جنگ سے عاجزی کا اظہار کیا۔ آخر کار نومبر ۱۹۱۸ء میں جرمنی نے بھی عارضی صلح کر کے ہتھیار ڈال دیئے۔

اتحادی کامیاب ہوئے ... مگر کامیابی کیا ہوئی؟ یہی سوال

ہے جس کا ہمیں جواب تلاش کرنا ہے۔

فصلِ دوم

جنگ کے بعد کی بدلتی ہوئی سیاست

فتح کا پھل شکست کا بیج ہے

انگریزوں کو فتح ہوئی۔ اس فتح کی شاندار خوشیاں منائی گئیں۔ دور دور چراغاں ہوئے۔ ناچ گھروں میں راتیں اور گرجوں میں دن منائے گئے۔

لڑائی کے بعد شکست خوردہ قوم ایک مجرم ہوتی ہے۔ جس کا صفائی پیش کرنا فتحمندوں کے دل کو تکلیف دیتا ہے۔ اُسے ہر اس جُرم کا اقبال کرنا ہوتا ہے۔ جس کا الزام فاتح لوگ اس پر لگانا مناسب سمجھیں۔ مگر یہاں مجھے ان باتوں کی تفصیل میں جانا مدِنظر نہیں ہے مجھے بدلتی ہوئی سیاست پر بحث کرنا ہے

اس عظیم الشان فتح کا باعث مختلف ملکوں کا اتحاد تھا جس نے مشرق و مغرب یا کہ نئی دنیا اور پرانی دنیا کو ایک طرف اکٹھا کر کے جرمنی، آسٹریا، بلغاریہ اور ترکی کا کچومر نکال دیا۔ مگر عین اس وقت جب اتحادی جرمنی پر فتح کی خوشیاں منا رہے تھے۔ روس میں اشتراکی حکومت کو شکست ہوئی اور لینن نے بالشویک حکومت قائم کر لی۔ جو انتہائی اشتراکی اصولوں پر چلنے لگی۔ مارکس کے پیرو سرمایہ داری پر فتح پانے کی خوشی میں جشن منانے لگے۔ سرمایہ دار برطانیہ اور سرمایہ دار امریکہ کو سرمایہ کش روس کا خوف ہونے لگا۔ گو اب یہ خطرہ نہ رہا کہ روس، دردانیال یا قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا حق جتائے گا۔

سرمایہ دار حکومتوں نے روس کی مخالفت شروع کی۔ اس لئے روس کو ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ اس کی سرحدوں پر ایسے ملک موجود رہیں۔ جو بالکل سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں نہ ہوں۔ ادھر سرمایہ دار جمہوریتوں نے روس کے خلاف مختلف مہمیں شروع کر دیں۔ ایک جنگ ختم ہونے نہ پائی تھی کہ دوسری جنگ شروع ہو گئی۔ مگر یہ جنگ میدان کارزار سے زیادہ زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر ملک میں ہونے لگی۔ یہ خیالات کی جنگ تھی جس میں سرمایہ پرست اور سرمایہ کش برسرپیکار تھے۔ یورپ کے سب ملکوں میں بالشویک نقطۂ نگاہ ترقی

کرتا نظر آیا۔ اور ہر طرف انقلاب کا خطرہ ہونے لگا۔ اب جرمنی سے زیادہ روس کھٹکنے لگا۔ ایک کا نٹا نکلا نہ تھا کہ دوسرا خلش کرنے لگا۔

جاپان نے چین اور بحر الکاہل میں جرمنی کے سب علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن جب صلح ہو چکی اور جاپان کی خدمات کی ضرورت یا اس کی ناراضی کا خوف نہ رہا۔ تو اس کو چین میں ان علاقوں سے دستبردار ہونے کے لئے کہا گیا جو وسیع تھے اور جہاں جرمن قابل برداشت ہو سکتے تھے۔ مگر جاپانیوں کو ان کا قائمقام دیکھنا گوارا نہ ہو سکتا تھا امریکہ اور برطانیہ جاپان کو اس وقت چین میں زیادہ طاقتور دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ جاپان کو دکھ ہوا۔ کہ روس کو ۱۹۰۵ء میں شکست دینے کے بعد بھی یورپ اور امریکہ کی بادشاہتوں نے جمع ہو کر اس کو فتح کئے ہوئے علاقے چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ اور اب اپنا اتحادی اور حلیف بنا کر بھی وقت پر کام لیا۔ لیکن آخر میں اس کو پھر ہتھیار ڈال کر مال غیروں کے حوالے کرتے کو کہا۔ جاپان نے اس تازہ زخم سے نئی عبرت حاصل کی اور آئندہ کو اپنی سیاست پر نظر ثانی شروع کر دی۔

اطالیہ کو امید تھی کہ ایڈریاٹک کا سارا مشرقی ساحل آسٹریا سے لیکر اس کے قبضے میں دے دیا جائیگا۔ لیکن اتحادیوں نے تھوڑا سا ساحل دیا

علاقہ اور ساحل اس کے حوالے کرنے کے علاوہ باقی ساحل جو کو سلاویہ کی نئی بادشاہت کے سپرد کیا گیا۔ جس میں سرویا اور مانٹی نیگرو کی پرانی بادشاہتوں کے علاقوں کے علاوہ آسٹریا کی سلطنت کے بہت سے حصے شامل کیے گئے۔ اناطولیہ میں بھی اطالویوں کو فوری قبضہ نہ کرنے دیا گیا۔ انگریزی اور فرانسیسی فوجیں اور جنگی بیڑا ہی ترکی پر قبضہ کیے بیٹھ گیا۔ بڑی کشمکش کے بعد تھوڑا سا علاقہ اطالیہ کی نذر بھی کیا گیا۔ اطالیہ کو رنج ہوا۔ اس کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ جرمنی کے ساتھ غداری کر کے بھی اس کا دامنِ مراد خالی رہا۔ اب نئے دوستوں پر غصہ آنے لگا۔

فرانس اور برطانیہ میں ایک نئی کشمکش کا آغاز ہونے لگا۔ چار برس کی لڑائی مشکل سے ختم ہونے پائی تھی۔ کہ پرانی رقابتیں پھر جاگ اٹھیں۔ فرانس کو خیال تھا۔ کہ وہ اس قدر مضبوط ہو جائے۔ کہ اس کو جرمنی سے پھر کوئی خطرہ نہ رہے۔ اور برطانیہ کو یہ خوف تھا کہ فرانس اس قدر مضبوط نہ ہو جائے۔ کہ جرمنی کی بجائے خود مستقل خطرے کا باعث ہو جائے۔ ایک صدی پہلے فرانس اور برطانیہ کی کشمکش نے جو سبق دیا تھا۔ برطانیہ اس کو بھولنے پر آمادہ نہ تھا۔ اور فرانس نہ ۱۸۱۵ء کو بھول سکتا تھا۔ اور نہ ۱۸۷۰ء کو۔ ۱۸۱۵ء میں وہ یورپ کے اکثر حصہ

کو زیر نگین کر کے بھی برطانیہ کو شکست دینے سے عاجز رہا تھا۔ اور آخر واٹرلو پر شکست کھا گیا تھا اور ۱۸۷۰ء میں تنہا جرمنی سے اُس نے سیدان SEDAN کا مورچہ ہارا تھا۔

یورپ کے ملکوں میں فرانسیسی زبان۔ اخلاق و عادات اور سیاست کا ہمیشہ زیادہ چرچا رہا ہے۔ اب بھی چار برس تک جس طرح فرانسیسیوں نے ڈٹ کر جرمنوں کا مقابلہ کیا۔ اس سے ہر ملک متاثر تھا۔ اس اثر کا براہِ راست مقابلہ نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن جرمنی کے ساتھ معاہدہ کرتے وقت اختلاف کا مظاہرہ کیا جا سکتا تھا۔ لڑائی کے میدان میں اکٹھے خون بہانے کے بعد صلح کی میز پہ چپقلش سی ہونے لگی۔ واضح مثال یہ ہے کہ فرانس کی آرزو تھی۔ کہ دریائے رائن کا سارا مغربی علاقہ مستقلاً فرانس کے قبضہ میں دے دیا جائے۔ اس علاقے میں جرمنی کے بے شمار کارخانے اور کانیں ہیں۔ فرانسیسی جرنیل فاش نے جو اس وقت فرانس کا سب سے بڑا سپاہی تھا ۲۳ ستمبر ۱۹۱۹ء کو کہا تھا۔ کہ اگر دریائے رائن پر فرانس کی سرحد نہ ہوئی تو فرانس کو بیس سال کے اندر اندر پھر جرمنی سے لڑائی لڑنا ہو گی۔ مگر برطانیہ فرانس کی اس تجویز کی تائید کرنے سے قاصر تھا۔ اس طرح جرمنی کا تمام صنعتی اور معدنی علاقہ فرانس کے قبضہ میں آجاتا۔ یورپ میں

اس کا اثر اور اضافہ پاتا اور اس کی اقتصادی حالت اور بہتر ہو جاتی برطانیہ جرمن کو شکست دے کر فرانس کو اپنا کامیاب حریف بننے کا موقع نہ دے سکتا تھا۔

فتح کے خوشنما گلزار کانٹے دار جھاڑیوں سے خالی نہیں ہوتے۔

فصل سوم

قوموں کی قسمت کے فیصلے

جرمنی

ورسائی کے عالیشان محل میں قوموں کی قسمت کا فیصلہ ہونے لگا۔ جرمن قوم سب سے زبردست دشمن تھی۔ اس لئے اس کا بندوبست کرنا ضروری تھا۔

برطانیہ کی طرف سے مسٹر لائڈ جارج جو ان دنوں وزیر اعظم تھے۔ فرانس کی طرف سے موسیو کلیمنسو جو "شیر" کہلاتے تھے، اور امریکہ کی طرف سے مسٹر ولسن جو اپنے چودہ نکتوں کے ساتھ دنیا کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے گھر سے نکلے تھے، ورسائی میں اپنی کارگزاری

کی شان دکھانے لگے۔ دنیا ان کے قدموں میں تھی۔ یہ سیاہ و سفید کے مالک تھے۔

اقبالِ جرم

جرمنی کو مجبور کیا گیا۔ کہ وہ ایک ایسے اعلان پر دستخط کرے۔ کہ جنگ کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ہے۔ جرمن لوگ اور اُن کی حکومت دورانِ جنگ میں جنگ کی ذمہ داری دوسری قوموں بالخصوص برطانیہ پر عائد کرتے رہے۔ اب وہ شکست خوردہ تھے۔ ان کی فوجیں ہتھیار ڈال چکی تھیں۔ ان کا جنگی بیڑہ برطانیہ کے قبضہ میں دیا جا چکا تھا۔ لیکن جرمن بحری افسروں نے اپنے جہازوں کو برطانیہ کے پانیوں میں پہنچا کر یکایک غرق کر دیا تھا! گو برطانیہ کے ہاتھ کچھ نہ لگا۔ تاہم جرمن بے دست و پا تھے۔ جب تک خلاف مرضی اقبالِ جرم نہ کریں۔ اس وقت تک صلح کی۔ باقی شرطیں طے ہونا مشکل تھا۔ جان چھڑانے کے لئے انہیں اقبالِ جرم کی دستاویز پر دستخط کرنے ہی پڑے۔

اتحادیوں کی جیت ہوگئی کہ جرمنی نے اقبالِ جرم کر لیا ہے! جرمنی کے دل پر بے چارگی کا گہرا زخم لگا۔

ان عقلمندوں کو کیا کہا جائے۔ جنہوں نے اس طرح اقبالِ جرم کرانے میں اپنی سعادت سمجھی۔

بہت سی شرطیں طے ہوئیں۔ مگر ہمیں چند ایک اہم اور ضروری شرطوں کا ذکر کرنا ہے۔ زیادہ تفصیلات میں جانا ہمارا مقصد نہیں۔

تاوانِ جنگ جرمنی سے ایک بڑی رقم تاوانِ جنگ کے طور پر وصول کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور جرمنی کے نمائندوں سے اُس کی ادائیگی کا اقرار لیا گیا۔ لیکن جرمن قوم کے پاس روپیہ کہاں تھا۔ جنگ اور جنگ کے بعد شکست نے تمام نظام درہم و برہم کر رکھا تھا۔ کارخانے کچا مال نہ ہونے کے سبب بند ہو چکے تھے۔ ملک کے بہت سے حصّوں پر غیر ملکی فوجوں کا قبضہ تھا۔ اس لئے جرمن تاوانِ جنگ۔ اسی طرح ادا کر سکتے تھے۔ کہ وہ اپنے کارخانوں کے نظام کو از سرِ نو درست کریں اور تجارتی مال بنا کر دوسرے ملکوں کو تاوانِ جنگ کے عوض ادا کریں۔ تاوان عائد کرنے والوں نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔ کیونکہ اس کے سوائے اور کوئی صورت بڑی بڑی رقمیں ادا ہونے کی نہ تھی۔ مگر نتیجہ کیا ہوا۔ جرمنی کے وہ کارخانے جو بیکار ہو گئے تھے۔ اور وہ صنعت جو بالکل ناکارہ ہو چکی تھی۔ فتحمندوں کی حرصِ تاوان کو پورا کرنے کے لئے انہی کی امداد سے پھر پنپنے لگی۔ چمنیوں سے دھؤاں پھر اٹھنے لگا۔ مشینیں پھر گڑگڑانے لگیں۔ یہ وہی کارخانے تھے جو از سرِ نو۔ پہلے پوشیدہ اور پھر علانیہ سامانِ جنگ تیار کرنے لگے۔ کیونکہ جرمنی کو ہتھیا

بنانے کی بھی اجازت نہ دی گئی تھی - اتحادیوں نے وقتی فائدے کی خاطر آئندہ کے خطروں کو قبول کیا - اور جرمنی نے آئندہ کے فائدوں کی خاطر وقتی نقصان پر صبر اختیار کیا -

مغربی سرحد

دریائے رہائن کے مغربی علاقہ کے بارے میں اختلاف ہؤا - جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں - فرانس کی خواہش یہی تھی - کہ وہ رہائن کے تمام مغربی علاقے پر قبضہ کر کے وہاں اپنے استحکامات بنائے - تاکہ وہ جرمنی کے آئندہ حملوں سے زیادہ محفوظ ہو سکے - مگر یہ بات نہ جرمنوں کو پسند تھی اور نہ انگریزی تدبیر اس کو برداشت کرتی تھی - بالآخر فیصلہ ہؤا - کہ کچھ عرصہ اتحادی فوجیں اس علاقہ پر قبضہ رکھیں - لیکن جرمنی اس علاقہ میں کبھی فوجی استحکامات نہ بنائے اور نہ فوجیں رکھے - یہی مرد ہم کا وہ علاقہ ہے - جہاں جنگ کے زمانہ میں ہوائی جہازوں کی سب سے زیادہ تاخت ہوتی ہے -

فرانس اور برطانیہ کے اختلاف نے جرمنوں کو اس معاملہ میں کئی آئندہ مشکلات سے بچا لیا -

نوآبادیاں

جرمنی کی نوآبادیوں کو اتحادیوں نے اپنے قبضے میں لے لیا - مشرق بعید کے علاقے تو جاپان پہلے ہی لے چکا تھا - افریقہ میں بھی جو نوآبادیاں تھیں - اُن کا بیشتر حصہ

انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ جرمن مشرقی افریقہ اور جرمن مغربی افریقہ جو بڑے بڑے وسیع رقبے تھے۔ برطانوی قلمرو میں شامل کئے گئے کیمرون کا علاقہ فرانس نے لیا۔ باقی چھوٹے چھوٹے علاقے باہم تقسیم کیئے گئے۔ اس طرح یورپ کے باہر جرمنی کے پرچم کا لہرانا ختم ہو گیا۔

مشرقی سرحد

مشرقی سرحد پر ایک اور خطرناک صورتِ حال کا اضافہ ہوا مسٹر ولسن نے اعلان کیا ہوا تھا۔ کہ پولینڈ کی آزاد حکومت دوبارہ قائم کی جائیگی۔ پولینڈ کی سرزمین پر اٹھارویں صدی کے آخر میں روس۔ جرمنی اور آسٹریا کی حکومتوں نے باہمی تقسیم سے قبضہ کر لیا تھا۔ اب تینوں سلطنتوں سے اتحادیوں کی مخالفت ہو چکی تھی۔ کیونکہ روس بالشویک ہو گیا تھا۔ اس لئے پولینڈ کی سرحدوں کو از سرِ نو قائم کیا گیا اور رُوس۔ آسٹریا اور جرمنی سے علاقے لیکر نئے پولینڈ کو یورپ کے نقشہ میں جگہ دی گئی۔ جرمنی کا سیلیشیا کا خِطّہ جو صنعت اور معدنیات کا گہوارہ تھا۔ پولینڈ کے حِصّے میں آیا۔ گو یہاں رائے عامہ کا فیصلہ بھی طلب کیا گیا۔

سمندر تک راستہ

مگر پولینڈ کو زیادہ طاقتور بنانے کے لئے اِس امر کی ضرورت سمجھی گئی کہ اس کو سمندر تک راستہ دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ جرمنی کی پروشیا کی ریاست دو

حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ مشرقی حصہ باقی سب ملک سے کٹ گیا۔ درمیان میں سے پولینڈ کو پچاس ساٹھ میل چوڑا راستہ بالٹک کے سمندر تک دیا گیا۔ اس راستہ کے ایک کونہ پر ڈانزگ کا شہر بھی تھا۔ جو بندرگاہ ہونے کی حیثیت سے پولینڈ کے لئے نہایت ضروری تھا۔ مگر وہاں کی ۹۶ فیصدی آبادی جرمن تھی۔ وہ جرمنی سے ملحق رہنا پسند کرتی تھی۔ اس لیئے اس کو ایک آزاد حکومت بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مگر یہ آزاد حکومت اپنی زندگی کا دارومدار پولینڈ کی تجارت پر رکھتی تھی۔ اس کے اختیارات بھی محدود تھے۔ وہ ایک بے اختیار حکومت تھی۔

میمل بحیرہ بالٹک کے کنارے جرمنی کے مشرقی کونے میں میمل کی بندرگاہ تھی۔ روس کی سرحدوں پر شمال میں فنلینڈ اور خلیج فنلینڈ کے نیچے استھونیا، لٹویا اور لتھونیا کی چھوٹی چھوٹی آزاد حکومتیں قائم کی گئیں۔ لتھونیا کو میمل کا علاقہ دیا گیا۔

فوج جرمنی کو کل ایک لاکھ فوج رکھنے کی اجازت دی گئی اور سامان جنگ تیار کرنے کی ممانعت ہوئی۔ جنگی بیڑہ بھی نہ بنایا جا سکتا تھا۔

جرمنی نے ان شرطوں کو بحالاتِ مجبوری قبول کیا لیکن ہر دل پر شکست کے زخم کے بعد شرائطِ صلح کے نئے نئے زخم پیدا ہوئے۔

آسٹریا
آسٹریا کی قسمت کا فیصلہ جرمنی سے بھی نرالا ہُوا۔ کیونکہ یہاں گنجائش بھی بہت تھی۔

شہنشاہی کا خاتمہ
آسٹریا کی شہنشاہیت میں حکمران جرمن قوم کی تعداد کم تھی۔ اور اس کا بڑا حصہ آسٹریا نام کے صوبہ میں ہی محدود تھا۔ اس لئے آسٹریا کے شاہی خاندان اور اس کے ساتھ اس کی شہنشاہیت کو قطعی جواب ہوا۔ جرمنی میں بھی ولیم قیصر کے خاندان کو شہنشاہی سے محروم ہونا پڑا تھا۔

ہنگری کی آزاد ریاست
ہنگری کے نام سے مگیار قوم کی ایک آزاد حکومت قائم کی گئی۔ لیکن مگیار آبادی کا ایک بڑا صوبہ جس کا نام ٹرانسلوینیا ہے۔ رومانیہ کے سپرد کر دیا گیا۔

چیکوسلوویکیہ
چیک اور سلوویک قومیں بھی آسٹریا کی شہنشاہی میں شامل تھیں۔ ان کی بھی علیحدہ حکومت قائم ہوئی جس میں چیک قوم کی تعداد غالب تھی۔

جوگوسلاویا
سرویا اور مانٹی نیگرو کی ریاستوں کو ملا دیا گیا اور ان کے ایڈریاٹک کے ساحل کا بہت سا علاقہ اور ہنگری اور رومانیہ کی سرحدوں تک کا ملک شامل کر کے جوگوسلاویا کی نئی اور وسیع

ریاست قائم کی گئی۔

یہ ذکر پہلے آچکا ہے کہ اطالیہ کو ٹائرول وغیرہ کا مختصر سا علاقہ دیا گیا اور پولینڈ کو بھی گیلیشیا کا ایک حصہ ملا۔

آسٹریا لے دے کے آسٹریا کا صوبہ جو ایک مختصر سا علاقہ رہ گیا تھا جرمن لوگوں کے لئے رہا۔ اس علاقے کے بہت سے لوگوں اور جرمنی کے بہت سے لوگوں کی خواہش تھی کہ مسٹر ولسن کے اعلان کردہ اصول کے مطابق آسٹریا کو بھی جرمن رائش میں داخل کیا جائے کیونکہ قوم، زبان، تمدن اور پسند کے لحاظ سے وہ جرمنی میں شامل ہونے کے حقدار تھے مگر مسٹر ولسن اور اُن کے ساتھیوں نے خود اختیاری کے اصول کو اپنے مخالفوں کے خلاف تو برتا لیکن اُن کے حق میں استعمال کرنا گناہ سمجھا۔ یہ ایک اور کمزوری تھی جس نے اتحادیوں کی اخلاقی ساکھ کو دُنیا میں دھکا لگایا اور اُن کے خلاف ناراضی پھیلائی۔

غرض آسٹریا نامی صوبہ میں آسٹریا کے نام سے ایک علیحدہ آزاد حکومت قائم ہوئی اور اتحادیوں نے اس کی آزادی کی ذمہ داری اُٹھائی تاکہ وہ جرمنی کے قبضہ میں نہ جا سکے۔

بلغاریہ

دوبرجا وغیرہ بلغاریہ کا دوبرجا نامی صوبہ جو اس کے شمال مشرق میں تھا۔ رومانیہ کو دے دیا گیا۔ کچھ مغربی علاقہ جو گوسلاویا میں

شامل کیا گیا۔ تھریس کا علاقہ مع ایجئین سمندر کے ساحل اور دیدی غاچ کی بندرگاہ کے یونان کے حوالے کیا گیا۔

ترکی

عرب کے حصے بخرے

ترکی کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہوئے ان تمام وعدوں کو بالائے طاق رکھا گیا جو ترکی کی سلطنت کے متعلق کئے گئے تھے۔ اعلان ہوا تھا کہ اتحادی ترکی کے کسی علاقہ پر قبضہ نہ کریں گے عرب کو بھی ایک حکومت بنانے کا فیصلہ شریف حسین سے کیا گیا تھا۔ اور اسی لئے اس نے ترکوں کے خلاف اتحادیوں کی امداد کی خاطر علمِ بغاوت بلند کیا تھا۔ جب جنگ ختم ہو چکی تو عراق میں انگریزی اور شام میں فرانسیسی انتداب قائم کیا گیا فلسطین میں نہ صرف انگریزی انتداب ہی قائم ہوا بلکہ وہاں یہودیوں کو بسانے کا فیصلہ ہوا۔ وہ لوگ جو کہتے تھے کہ ہر قوم اپنے ملک میں آزاد رہیگی اُنہوں نے فلسطین میں وہاں کے مسلمانوں اور عیسائیوں کی مرضی کے خلاف یہودیوں کو بسانا شروع کیا۔ حجاز میں شریف حسین کو بادشاہ بنایا گیا۔ شریف کے لڑکے امیر عبداللہ کو شرق اردن میں ایک مختصر سے علاقے کی ریاست سونپی گئی شریف حسین کا مسلسل اصرار کہ ان سب علاقوں کی حسب وعدہ ایک بادشاہت قائم کی جائے بیکار ثابت ہوا اور بالآخر شریف حسین اپنے اسی اصرار کے باعث انگریزی امداد سے

محروم ہو کر سلطان عبد العزیز ابن سعود والئے نجد سے شکست کھا کر قبرص کے جزیرے میں انگریزی سنگینوں کے پہرے میں جان دے کر اپنی گردن پر جوابدہیوں کا ایک بارگراں اٹھائے ہوئے اس دنیا سے بصد حسرت و یاس رخصت ہوا۔

حجاز کا علاقہ نجد سے ملحق ہوا اور ایک نئی سلطنت کی بنیاد پڑی۔

عراق کے تخت پر امیر فیصل کو بٹھایا گیا۔ اس طرح عراق اور شرق اردن میں تو شریف حسین کی اولاد انگریزوں کے زیر سایہ حکمران ہوئی۔ نجد و حجاز میں ابن سعود نے ایک رقیب حکومت کی بنیاد ڈالی جس کو برطانیہ کی تائید تو حاصل تھی مگر شریف کے خاندان سے اس کی پرانی عداوت تھی۔ اس طرح برطانوی سیاست کے لئے عرب میں مختلف اور متصادم عناصر کا وجود ایک نعمت ثابت ہوا۔ کیونکہ عربوں کی باہمی کشمکش برطانوی اغراض کی تکمیل کا ذریعہ بنی۔

مصر مصر کا ملک اصولی حیثیت سے جنگِ عظیم کے زمانے تک ترکی سیاست میں تھا۔ گو اس پر برطانوی قبضہ ایک کارندے کی حیثیت سے گزر کر بہت بڑھ چکا تھا۔ کیونکہ زبردست کارندے اکثر مالکوں کو ان کے مال و متاع سے جواب دے دیتے ہیں۔ جنگ عظیم میں شکست کھانے پر ترکوں نے مصر میں اپنی سیادت سے دست برداری دے کر اس برائے نام تعلق کو بھی توڑ لیا۔ جو انہیں مصر سے تھا اور اس کے بغیر انہیں کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

یورپی ترکی یورپی ترکی میں قسطنطنیہ پر انگریزی بیڑے نے سب سے پہلے قبضہ کر لیا تھا، اور فرانسیسی فوج کے بلغاریہ سے قسطنطنیہ پہنچنے سے پہلے ہی صلیبوں والا جھنڈا وہاں لہرا دیا تھا۔ کیونکہ وہ فرانسیسی سیاست کو ترکی میں غالب دیکھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ برطانیہ اور فرانس کی باہمی کشمکش ترکی میں بھی جنگ کے ختم ہوتے وقت ہی رونما ہو گئی تھی

دردانیال کو بین الاقوامی نگرانی میں دینے اور وہاں سے تمام فوجی استحکامات کو ہٹا دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ قسطنطنیہ میں بھی اتحادی فوج رکھے جانے۔ اور اسے ترکی سلطنت کا دار الخلافہ بنائے رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس طرح دردانیال بالکل غیر محفوظ اور اتحادیوں کے قبضہ اور رحم پر ہوتا اور قسطنطنیہ میں ترک خلیفہ یا بادشاہ ایک قیدی کی حیثیت سے اپنے رہے سہے ملک پر برائے نام حکومت کرتا

اناطولیہ اناطولیہ کے متعلق بھی معاہدہ سیورے کے ذریعے کسی بہتر سلوک کا فیصلہ نہ کیا گیا۔ سمرنا اور اس کے نواح کا ایک بڑا رقبہ یونان کے سپرد کرنے کا حکم دیا گیا۔ عدالیہ کا علاقہ اطالیہ کو سونپا گیا۔ اسکندرونہ انطاکیہ اور ان کا نواحی علاقہ فرانس کے سپرد ہوا۔ مشرق میں ارمنوں کو ایک وسیع ترکی علاقہ میں ایک آزاد ارمنی سلطنت بنانے کی اجازت دی گئی۔ اس طرح اناطولیہ کا بیشتر حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں جاتا

قرار پایا۔

خلیفہ اور اس کے ہمنوا وزراتو اس فیصلہ کو تسلیم کرنے پر رضامند ہو گئے لیکن مصطفیٰ کمال نے اپنی شمشیر خارہ شگاف سے اس فیصلہ کی گرہ کھولنے کی ٹھانی۔

ایران

ایران کا ملک لڑائی میں غیر جانبدار تھا لیکن کمزور ملک کی غیر جانبداری یہاں بھی بے معنی ثابت ہوئی روسی ترکی اور انگریزی فوجیں یکے بعد دیگرے اس ملک میں آگے بڑھیں اور ایک دوسرے سے دست وگریباں ہوئیں جنگ کے خاتمہ کے وقت حالات یہ تھے کہ تمام ایران پر انگریزی فوجوں کا قبضہ تھا اور برطانوی حکومت اس قبضہ سے دست بردار ہونیکو تیار نہ تھی۔ مشہد اور طہران تک برطانوی فوجیں ڈیرے ڈالے پڑی تھیں۔ اور ایران اپنی آزادی کھو چکا تھا۔

فصل چہارم

ہندوستان میں ردعمل

مختلف قوموں کی قسمت کا فیصلہ مختلف اوقات پر ہوا اور ردعمل نے بھی

مختلف صورتیں اختیار کر لیں، بعض کارروائیاں صلحناموں کے طے ہونے سے پہلے ہی ہونے لگیں۔

سب سے پہلا ردعمل ہندوستان میں شروع ہوا۔ انگریز مدبروں بالخصوص لائڈ جارج کے اعلانوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین دلا دیا تھا کہ عرب یا ترکی کے علاقوں پر قبضہ کرنا جنگ کا مقصد نہیں اور سب علاقے لڑائی ختم ہونے پر آزاد رہیں گے۔ ان پر اتحادی قبضہ نہ کریں گے لیکن عارضی صلح ہوتے ہی اتحادی فوجیں ترکی کے سب علاقوں پر اس طرح جھپٹ کر لپکیں جیسے بھوکا گدھ تازہ مردار پر لپکتا ہے۔ قسطنطنیہ کے شاہی محل سے لیکر موصل کے تیل کے چشموں تک ہر جگہ اتحادی لشکر گھس گئے

ہندوستان میں اس صورتِ حال سے بےچینی کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ لیکن برطانوی مدبروں نے یہ کہکر کہ فلسطین میں ہم نے آخری اور کامیاب صلیبی جنگ لڑی ہے۔ جلتی آگ پر اور بھی تیل ڈالا۔ ان کے اعلانوں کے نیچے جو ارادے کام کر رہے تھے وہ طشت از بام ہو گئے۔

مقاماتِ مقدسہ کو قبضہ اغیار سے بچانے اور ترکی خلافت کو امداد پہنچانے کے لئے جدوجہد شروع ہوئی، علماء اور زعماء۔ خواص اور عوام سب بپھرا اٹھے، حکومت نے جشنِ فتح منانے کو کہا۔ اس کے مقابل، لوگوں کو جشنِ فتح میں شریک ہونے سے روکنے کی تحریک جاری ہوئی

دسمبر ۱۹۱۸ء میں اس کشمکش کی ابتدائی صورت دنیا کے سامنے آئی۔ حکومت کو اپنی نیتوں کا بخوبی علم تھا۔ اس نے پیش بندی کے لئے ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں وہ بل پیش کیا جس کو رولٹ بل کے نام سے شہرت حاصل ہوا۔ اس میں حکومت کو وسیع اختیار دیئے گئے تھے، اور ملزموں کے لئے مقدمات میں وکیلوں اور اپیلوں کی گنجائش نہ تھی۔ قانون شہادت بھی ایک حد تک بالائے طاق رکھا گیا اس لئے ہر زبان پر یہ آواز آئی کہ اس بل کا مقصد یہ ہے کہ

نہ وکیل نہ دلیل نہ اپیل

ہندوستانی ممبروں نے قانون کی سخت سے سخت مخالفت کی۔ لیکن حکومت کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی۔ بل اسمبلی میں کثرت رائے سے منظور کرالیا۔

گاندھی جی جنوبی افریقہ میں ایک مدت زندگی بسر کرکے انہیں دنوں ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ وہ جنوبی افریقہ میں کئی تحریکیں جاری کر چکے تھے۔ رولٹ بل کے پاس کئے جانے نے ان کی طبیعت پر بھی اثر کیا انہوں نے ہندوستان بھر میں اس کالے قانون کے خلاف احتجاج کے لئے ہڑتال اور جلسے کرنے کا حکم دیا۔ ہر طرف تیاریاں ہونے لگیں۔

امرتسر میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال اس تحریک میں پیش پیش تھے۔ حکومت نے ان کو گرفتار کر کے کسی نامعلوم مقام پر بھیجدیا۔

لوگ اکٹھے ہو کر ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی کو چلے کہ جا کر اپنے رہنماؤں کا پتہ پوچھیں۔ انگریزی افسر ضرورت سے زیادہ گھبرا چکے تھے۔ انہوں نے راستہ میں ریل کے پلوں پر پہرہ لگا دیا۔ اور پلوں سے گزرنا منع کر دیا۔ لوگ گزرنے پر بضد ہوئے۔ حکام نے گولیاں چلا دیں مشتعل ہجوم لاشیں اٹھائے ہال بازار کو واپس آیا اور لوٹ مار کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا۔ کئی انگریز قتل ہوئے کئی بنک لوٹے گئے کئی عمارتیں جلائی گئیں۔ شہر میں مارشل لاء کا اعلان کیا گیا۔ آخر ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ میں ایک پرامن جلسے پر جنرل ڈائر نے بے تحاشہ گولیاں چلائیں اور سینکڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

امرتسر کے علاوہ لاہور۔ دہلی، گوجرانوالہ قصور اور دوسرے شہروں میں بھی فساد ہو گیا۔ ہر طرف مارشل لاء کا دور دورہ ہوا۔

افغانستان کی نئی سیاست

ہندوستان کے اس فتنہ و فساد کے دور کا اثر افغانستان کی سیاست پر بھی پڑا۔ گو افغانستان جنگ عظیم میں بالکل غیر جانبدار رہا تھا۔ اور ترکی حکومت کے بھی اصرار کے باوجود امیر حبیب اللہ خاں نے انگریزوں کے خلاف جنگ میں کودنا درست نہ سمجھا تھا۔ تاہم جب ترکی حکومت کو شکست ہونے کے بعد عرب پر انگریزی فوجوں کا قبضہ ہوا اور قسطنطنیہ

بھی غیروں کے لشکروں کا ٹھکانا بن گیا تو افغان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ امیر حبیب اللہ خاں کے خلاف سازش ہوئی۔ ان کو قتل کر دیا گیا۔ اور تخت امیر امان اللہ خاں کے ہاتھ آیا۔

جب ہندوستان میں فسادات رونما ہوئے تو امیر امان اللہ خان نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ تھوڑے عرصے تک موسم گرما کے شروع میں لڑائی ہوئی اور بالآخر انگریزوں کو ایک تکلیف دہ صلحنامہ پر دستخط کرنے پڑے۔ افغانستان انگریزی اثر سے آزاد ہو گیا۔ برطانوی سیاست کی مشکلوں میں تھوڑا سا اور اضافہ ہوا۔

امیر امان اللہ خان افغانستان کو مضبوط بنانے میں سرگرم ہوئے۔ اور ہندوستان میں کانگریس کی تحریک کے پہلو بہ پہلو خلافت کی تحریک شروع ہوئی۔ ہندوستان اور ممالک مقدسہ کی آزادی اور خلافت کا استحکام دونو کے پیش نظر ہوا۔ برسوں تک یہ تحریکیں زور شور سے کام کرتی رہیں۔

روس میں نیا نقطہ نگاہ روس میں بالشویک حکومت نے برسر اقتدار آتے ہی بحیرہ بالٹک سے لیکر بحر الکاہل تک تمام وسیع علاقے میں ساہوکاروں۔ کارخانہ داروں اور جاگیرداروں سے سرمایہ چھین لیا۔ سرمایہ داری کو ہر طرف کچل کر رکھ دیا گیا۔ لاکھوں انسان اس کشمکش میں موت کے گھاٹ اترے۔

لیکن بالشویک حکومت ابھی پاؤں پر کھڑی نہ ہوئی تھی کہ یہ خبریں دوسرے ملکوں میں پہنچیں۔ برطانیہ اور دوسری سرمایہ دار حکومتوں نے بالشویکوں کی مخالفت میں کارروائی شروع کی۔ جہاں جہاں سُرخ فوجوں کے خلاف سفید فوجیں لڑ رہی تھیں وہاں وہاں ان کو حتی المقدور امداد دی گئی۔ کبھی سائبیریا میں۔ کبھی یوکرین میں کبھی آرکینجل (ARCHANGEL) میں معرکے ہوئے لیکن بیشتر مقامات پر بالشویک جنرل اپنی محنت۔ اپنی قربانی اور اپنے جوشِ دلی سے میدان لے گئے۔ برطانیہ اور بالشویک روس کی کشمکش انتہا کو پہنچ گئی۔ برطانیہ نے ایران کے راستے بھی روس پر چڑھائی کی اور انگریزی فوجیں مرو اور عشق آباد پر جا قابض ہوئیں۔ مگر بالشویکوں نے بالآخر اپنا ملک انگریزی فوجوں سے خالی کرا لیا۔

لیکن روسی فوجیں ہر جگہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ بسریبیا اور بکووینا کے علاقے میں سرمایہ داروں کی ریشہ دوانیاں کام کر گئیں اور یہ علاقہ رومانیہ نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ وہاں کی پارلیمنٹ نے بھی جو سرمایہ داروں کی اکثریت پر مشتمل تھی رومانیہ کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بالشویک حکومت رومانیہ سے لڑ کر اس علاقہ کو سنہ ۱۹۴۰ء میں واپس لے سکی۔

اسی طرح پولینڈ کے محاذ پر بھی بالشویکوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اتحادی مدبروں نے پولینڈ کا جو نقشہ تیار کیا تھا اس میں غربی یوکرین اور

مغربی سفید روس کے علاقے شامل نہ تھے۔ لارڈ کرزن نے اس نقشہ اور اس کے ملحقہ مسودے کو تیار کیا تھا۔ مگر پولینڈ کی حکومت نے بالشویکوں کے خلاف صف آرائی کر کے یہ وسیع علاقے بھی سنہ ۱۹۲۰ء میں پولینڈ میں شامل کر لئے

پولینڈ اور روس کی اس کشمکش کے دوران میں ایک نئی کیفیت پیدا ہوئی۔ چونکہ اس کا اثر دنیا کے آئندہ حالات پر بعید ہوا ہے اس لئے اس کا یہاں بیان کر دینا مناسب ہے۔

پولینڈ کو روس کے خلاف لڑنے کے لئے سامان جنگ کی بہت ضرورت تھی۔ یہ سامان فرانس اور برطانیہ سے ہی آسکتا تھا۔ اس کی آمد کا راستہ ڈانزگ کی بندرگاہ تھی جس کو ایک آزاد شہر بنا دیا گیا تھا۔ مگر یہ سب جرمن قوم سے آباد تھا۔ ڈانزگ کے افسروں نے پولینڈ کو سامانِ جنگ پہنچانے میں دانستہ کوتاہی کی کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ بالشویکوں کے مقابلے میں پولینڈ کو شکست ہو جائے تاکہ جرمنوں کے کلیجے ٹھنڈے ہوں۔ مگر ان کی آرزوؤں کے خلاف بالشویک جرنیلوں کو اپنی فوجیں پیچھے ہٹانی پڑیں پولینڈ کے سب لوگ ڈانزگ والوں کے اس رویہ سے سخت برافروختہ ہوئے اور انہوں نے سمجھا کہ ڈانزگ پر آئندہ کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے انہوں نے ڈانزگ کے مقابلے پر سمندر کے کنارے ایک نئی بندرگاہ بنانے کا فیصلہ کیا یہ بندرگاہ گڈینیا GDYNIA

کے مقام پر بنائی گئی اور جرمنی کی مشرقی سرحد پر پولینڈ۔ ڈانزگ اور جرمنی میں ایک نئی آویزش کا باب کھل گیا۔

بالٹک کی ریاستیں

بالشویک حکومت میں لڑائی کے لئے زیادہ دم خم نہ تھا۔ ملک سنہ ۱۹۱۴ء سے مسلسل تباہی کی طرف جا رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے فن لینڈ۔ استھونیا۔ لیتھونیا اور لیتھونیا کی ریاستیں بحرۂ بالٹک کے کنارے قائم ہونے میں زیادہ مزاحمت نہ کی۔ اور سستانے کے لئے امن وصلح کے خواہاں ہوئے۔

ایران کی آزادی

جب یورپ کی سرحدوں پر امن ہو گیا تو بالشویک حکومت نے ایشیا کی طرف توجہ دی۔ اور انگریزوں کو کہا کہ ایران کے ملک سے نکل جائیں۔ انگریزی حکومت نے بالشویک حکومت کے اس مطالبے کو ٹھکرا دیا۔ بالشویکوں نے فوجی کارروائی کی دھمکی دی۔ برطانوی مدبروں نے اس کی بھی پروا نہ کی۔ بالآخر بالشویکوں نے انزلی کی بندرگاہ جو بحر خزر کے کنارے ایران کے ساحل پر ہے اور طہران سے قریب ترین ہے اپنی فوجیں اتاریں تاکہ انگریزی فوجوں سے لڑیں۔ جو طہران پر قبضہ کئے تھیں۔ انگریزوں نے پھر بھی روس کی دھمکی کو محض زبانی جمع خرچ ہی سمجھا۔ لیکن جب روسی فوجیں انزلی سے آگے بڑھیں اور طہران کو روانہ ہوئیں تو برطانوی حکومت نے لڑائی نہ لڑنے کا فیصلہ کیا

ہندوستان اور افغانستان میں انگریزوں کے خلاف جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ ترک اور عرب انگریزی سنگینوں کے سائے میں تھے۔ اب ایران کو غلام رکھنے کے لئے بالشویک حکومت سے لڑنا مناسب نظر نہ آیا اور کف افسوس ملتے ہوئے طہران سے فوجیں ہٹانے کا فیصلہ کیا۔

انگریزی فوج طہران سے ہٹ گئی اور روسی فوج شہر میں داخل ہو گئی بالشویک حکومت نے پھر مطالبہ کیا کہ سب انگریزی فوج ایران سے باہر نکال لی جائے اور ایران کا ہر گوشہ آزاد کیا جائے۔ اب برطانوی مدبروں نے سب ایران سے فوجوں کو نکالنا شروع کیا۔ جب انگریزی فوج کا آخری سپاہی ایران کی سرزمین سے خارج ہو چکا تو بالشویک حکومت نے ایران کو اس کی آزادی پر مبارکباد دی اور ملک ایرانیوں کے حوالے کر کے اپنی فوجوں کو واپس بلا لیا۔ ایران میں لینن کی حکومت سے تشکر گذارانہ وابستگی پیدا ہو گئی باقی دنیا پر بھی اس کا کم و بیش اثر ہوا۔

عراق عراق میں امیر فیصل ایک اجنبی تھا وہ حجاز کا رہنے والا تھا۔ اس کے بادشاہ بنائے جانے سے عراق کے اکثر سرداروں میں ناراضی پیدا ہوئی۔ برطانیہ کے بڑھتے ہوئے اثر کو بھی لوگ برداشت نہ کرتے تھے۔ اس لئے عراق میں انگریزی اقتدار کے خلاف احتجاج ہوا اور فوجی کارروائیوں تک نوبت پہنچی۔ مگر

جنگ عظیم میں ظفریاب شدہ برطانیہ عراق کے قوم پسندوں کی بندوقوں سے خائف نہ ہو سکتا تھا۔ قوم پسندوں کی فوجیں کچل کر رکھدی گئیں اور انگریزی اقتدار پھر بحال ہو گیا۔

شام شام کے علاقے میں بھی فرانسیسی حکومت کے قبضہ و اقتدار کے خلاف آواز بلند ہوئی آزادی کے وعدے پر ترکوں سے لڑنے والے شامی اب فرانس کی گولیوں کا نشانہ بنے دمشق کے شہر پر بہتر گھنٹے توپیں لگاتار گولے برساتی رہیں اور بالاخر فرانس کی فائق فوجی قوت غالب آئی۔

فلسطین فلسطین میں یہودیوں کا وطن بننے لگا۔ وہاں کے مسلمان اور عیسائی عربوں نے یہودیوں کی آمد کی متفقہ مخالفت کی مگر برطانوی اور امریکن سیاست یہودیوں کی پشت و پناہ تھی۔ فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا۔ لیکن فلسطین کے قوم پسند شکست خوردہ ہو کر رہ گئے۔

مراکش مراکش میں بھی جنگ عظیم کے بعد آزادی کی لہر ایک مرتبہ پھر اٹھی۔ غازی عبدالکریم نے ہسپانوی علاقہ میں علم آزادی بلند کیا اور ہسپانیہ کے لشکروں کو یکے بعد دیگرے شکستیں دیکر ان کے بودے پن کو دنیا میں الم نشرح کر دیا۔ اگر مقابلہ عبدالکریم اور ہسپانیہ کے درمیان رہتا تو صاف ظاہر تھا کہ عبدالکریم ہی ظفرمند ہوتا اور ہسپانوی

مراکش غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر رکھدیتا۔

مگر ہسپانیہ کی شکست فرانس کے لئے مشکلات کا باعث ہو سکتی تھی۔ فرانس کو اندیشہ ہوا کہ اگر عبدالکریم نے ہسپانوی مراکش میں آزاد اسلامی حکومت قائم کرلی تو کل کو وہ طاقتور ہو کر فرانسیسی مراکش میں بھی آزاد حکومت قائم کرنیکے خواب نہ دیکھنے لگے اس لئے گربہ کشتن روز اول کے اصول پر عمل کرتے ہوئے فرانس نے خواہ مخواہ لڑائی میں اپنی ٹانگ اڑائی اور گو غازی عبدالکریم نے فرانس کے خلاف نہ کچھ کہا تھا اور نہ کچھ کیا تھا۔ پھر بھی فرانس نے اس کے خلاف لشکر کشی شروع کردی۔

غازی عبدالکریم کے پاس سامان جنگ کے ذخیرے نہ تھے۔ نہ اس کے سپاہیوں کی تعداد اب فرانس کے لشکروں سے کوئی تناسب رکھتی تھی۔ تاہم وہ بڑی بہادری اور جوانمردی سے فرانس کے بڑھتے ہوئے ریلوں کو روکنے لگا۔ اس نے فرانسیسی فوجوں کو بھی کئی مقامات پر شکست دیکر اپنی فوجی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ لیکن آخر کار اس کو بھی نپولین کی طرح شکست کھا کر کسی دور دراز جزیرے میں قید ہونا پڑا اور وہ آج تک اپنی زندگی کے دن اسی طرح گزار رہا ہے۔

آئرلینڈ آئرلینڈ کا ملک صدیوں سے برطانوی اقتدار کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھا۔ جنگ عظیم کے بعد وہاں بھی

مسٹر ڈی ولیرا اور ان کی جمہوری فوج نے آزادی کا پرچم بلند کیا۔ برطانوی حکومت برسوں تک مقابلے پر ڈٹی رہی اور آخر باقاعدہ فوجی لڑائی تک نوبت آئی۔ ڈی ولیرا کو امریکہ سے بہت امداد پہنچنے لگی بالآخر انگریزی حکومت نے آئرلینڈ میں درجہ نوآبادیات کی حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور انتخابات کے ذریعے السٹر کے شمالی علاقے کے علاوہ باقی آئرلینڈ میں ایک قومی حکومت کی بنیاد رکھی گئی

مصر مصر میں بھی تحریک آزادی نے زور پکڑا۔ انگریزی قبضہ اور اقتدار کے خلاف وفد پارٹی نے زاغلول پاشا کی سرکردگی میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ لیکن ابتدا میں کوئی نمایاں کامیابی نہ ہوئی۔

ترکی افریقہ اور ایشیا کے ملکوں میں یورپی اقتدار کے خلاف صدائے احتجاج کا سلسلہ ہر طرف جاری تھا۔ مگر سب سے زیادہ یہ جدوجہد ترکی میں رونما ہوئی۔ مصطفیٰ کمال نے گیلی پولی کی جنگ میں وہ کارہائے نمایاں دکھائے تھے کہ اس کا نام ہر زبان پر تھا۔ وہ ترکی قوم کو کسی یورپی قوم کا غلام یا دست نگر دیکھنا پسند نہ کرتا تھا۔ اس نے اناطولیہ اور یورپی ترکی میں اپنی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور ترکی قوم کے بہت سے جری اور مستقل مزاج جرنیلوں اور سیاستدانوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جب اتحادیوں نے معاہدہ سیورے کی شرائط شائع کیں اور

سلطان وحید الدین پر انہیں تسلیم کرنے کے لئے دباؤ ڈالا تو مصطفیٰ کمال اس معاہدے کی مخالفت پر ڈٹ گیا۔ مشرقی اناطولیہ کے ترک ارمنوں کی غلامی قبول نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے اس علاقے میں مصطفیٰ کمال کو بہت جلد کامیابی حاصل ہوئی۔ جب سلطان نے شرائط صلح پر دستخط کر دیئے اور پبلک میں اُن کا اعلان کیا تو مخالفت کی آگ اور بھی بھڑکی مصطفیٰ کمال کا کام بنگیا۔

اس نے ہر طرف لشکر جمع کرنے شروع کئے اور ترکی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے پھر اپنی شمشیر خارا شگاف کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا۔

اتحادیوں نے یونانیوں کو سمرنا کے علاقے سے اناطولیہ پر قبضہ کرنے کے لئے آگے بڑھایا۔ مصطفیٰ کمال کے لشکر پہلے تو شکست کھاتے ہوئے پیچھے ہٹے مگر بالآخر جب لڑائی انگورہ کے قریب پہنچی تو مصطفیٰ کے ناخن تدبیر نے اس کی شمشیر ملک گیر کی تائید و حمایت کی۔ یونانیوں نے شکست کھا کر پیچھے ہٹنا شروع کیا اور آخر اگلے موسم گرما میں وہ ایک اور شکست کھا کر سمرنا میں اپنے جہازوں پر جا پہنچے اور لنگر اٹھا کر یونان میں جا دم لیا۔

فرانسیسیوں نے اس جنگ کے دوران میں ہی انگریزوں سے بالا بالا مصطفیٰ کمال سے معاہدہ کر کے بہت سا علاقہ اسے واپس

دے دیا۔ اس طرح برطانوی اور فرانسیسی سیاست کی رقابت اور تیز ہوتی گئی۔

الغرض مشرق اور مغرب کے ملکوں میں ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کے ختم ہونے کے بعد وہ صورت حال پیدا ہوئی جس کا ہم نے مختصراً ذکر کیا ہے۔ اس زمانے میں برطانیہ اور فرانس دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہتوں کے مالک تھے اور ہر طرف انہی کا طوطی بول رہا تھا۔ گو کبھی کبھی کسی جگہ مثلاً آئرلینڈ یا ترکی میں خلاف منشا کارروائی ہو ہی جاتی تھی۔

فصل پنجم

بڑی طاقتوں کے باہمی تعلقات

برطانیہ اور روس

۱۹۱۸ء کے بعد کی دنیا کا مختصر سا خاکہ اوپر کھینچنے کے بعد اب ہم بڑی بڑی طاقتوں کے باہمی تعلقات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ برطانیہ اور فرانس وغیرہ نے روس میں بالشویک حکومت کا قیام پسند نہ کیا اور اس کی مخالفت میں جو کچھ ہو سکا کیا۔ مگر بالشویک حکومت کے قدم اکھاڑے نہ جا سکے۔ روس اِدھر اُدھر کے جھگڑوں کو نبٹا کر

اور کئی جگہ شکست کھا کر بلکہ علاقہ گنوا کر بھی خاموش ہو گیا اور امن میں اپنی قوت کو بڑھانے کا خواستگار رہا۔ کیونکہ امن کے زمانے میں ہی صنعت و حرفت یا زراعت کو ترقی دی جاسکتی ہے۔ اور صلح یا جنگ کے وسائل مہیا ہو سکتے ہیں

مغربی حکومتیں بھی ابتدائی جارحانہ مخالفت کے بعد تھک کر بیٹھ گئیں اور اب روس کے اندرونی فساد اور انتشار کی آرزو مند ہوئیں۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے بالشویک روس کے ساتھ اپنے سفارتی تعلقات از سر نو قائم کر لئے۔ مگر سفارتی تعلقات دوستانہ یگانگت کی حد تک نہ بڑھ سکے

برطانیہ اور روس کے تعلقات میں خلفشار اور عناد کا عنصر موجود ہی رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بسا اوقات عداوت و عناد کا علانیہ مظاہرہ ہوتا رہا۔ ۱۹۲۳ء میں کرزن نے ماہی گیری کے حقوق اور دوسرے چھوٹے چھوٹے معاملات کے بارے میں حکومت روس کو الٹی میٹم ہی دیدیا۔ ۱۹۲۷ء میں فروری کے مہینے میں سر آسٹن چیمبرلین نے بعض معمولی مسائل پر تقریر کرتے ہوئے جن میں ایک روسی اخبار کا مسئلہ بھی تھا۔ جس نے ایک کارٹون شائع کیا تھا ایسے انداز میں باتیں کیں جو ایک الٹی میٹم کی حد تک جاتی تھیں

اسی طرح ۱۹۲۴ء میں مسٹر رامزے میکڈونلڈ نے ایک سرخ مکتوب کے سلسلے میں ایک تلخ یادداشت لکھی حالانکہ بعد میں وہ سرخ مکتوب جعلی ثابت ہوا۔ سر ولیم جائنسن ہکس SIR WLLAM JOYNSON HICKS

نے بھی جو برطانیہ کے وزیر داخلہ تھے خود ہی سُرخ خطرہ کے متعلق تقریریں کیں اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ ان کی تقریریں بے بنیاد نہیں ہو سکتیں گو اُن کے پاس کوئی ثبوت موجود نہ تھا روس کی تجارتی ایجنسی آرکس لمیٹڈ ARCOS LTD کی تلاشی کا حکم دیا۔ مضبوط چونا گچ دیواریں توڑ توڑ کر تلاشی لی گئی لیکن کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی۔ مگر برطانیہ اور روس کے سفارتی تعلقات ایک مرتبہ پھر منقطع ہو گئے۔

سنہ ۱۹۲۲ء کی جنیوا کانفرنس

سنہ ۱۹۲۲ء میں جنیوا GENOA کے مقام پہ ایک اہم کانفرنس ہوئی جس میں یورپ کی تمام سلطنتوں کو بلایا گیا۔ اس میں شکست خوردہ جرمنی اور انقلاب زدہ روس بھی شامل تھا۔ کانفرنس کے صدر انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر لائیڈ جارج تھے۔ کانفرنس کا مقصد یہ تھا کہ یورپ میں جنگ سے جو تباہی ہوئی ہے اس کا انسداد کر کے حالات کو بہتر بنایا جائے۔

جرمنی شکست خوردہ ہونیکے باعث زیادہ قابل اعتبار نہ سمجھا گیا اور روس کو مسٹر لائڈ جارج نے کہا کہ اگر تم اشتراکیت کی تجویزوں کو ترک کر دو اور پھر سرمایہ داری کے اصولوں پر لوٹ آؤ تو تمہیں بھی جنگ عظیم اور خانہ جنگی کی تباہ کاریوں کا اثر زائل کرنے میں مدد دی جا سکتی ہے۔ بالشویک روس کے نمائندے اپنے اصولوں کو خیر باد کہنے کو تیار نہ تھے۔ اِس لئے انہیں

اپنا سامنہ لیکر واپس جانا پڑا۔

روسی اور جرمن دونو زخم خوردہ تھے۔ انہوں نے آپس میں بیٹھنے کی طرح ڈالی اور ریپیلو RAPALLO کے مقام پہ ایک عہدنامہ کرلیا جس میں سیاسی اور اقتصادی معاملات میں تعاون کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہی عہدنامہ بعد میں جرمن اور روسی تعلقات کی گہرائی کا ذریعہ بنا۔ ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۹ء کے درمیان جرمنی اور روس کے مابین بہت سے معاہدے ہوئے۔ جن میں سے کئی خاص اہمیت رکھتے تھے

میثاق لوکارنو

۱۹۲۵ء کے آخر میں انگلستان کے وزیر خارجہ سر آسٹن چیمبرلین نے بحیرہ روم میں جاکر مسولینی سے بہت گفتگوئیں کیں۔ اور ملکوں کے نمائندوں نے بھی ان میں حصہ لیا نتیجہ یہ ہوا کہ لوکارنو کے مقام پہ ایک عہدنامہ پر دستخط ہوئے جس کا نام میثاق لوکارنو ہوا۔ اس کی رو سے فرانس، برطانیہ۔ جرمنی۔ اطالیہ، پولینڈ چیکوسلوواکیہ اور بلجیم میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کو امن کی ضمانت دی اور باہمی تعاون سے حالات کو بہتر بنانے کا فیصلہ کیا۔

مگر روس میں یہ سوال ہر کسی کی زبان پر آیا کہ یہ معاہدہ کس کے خلاف کیا گیا ہے؟ اور کوئی اس کا جواب دیتا یا نہ دیتا برطانیہ کے ایک وزیر مسٹر اورمزبی گو (ORMSBY GORE) نے عہدنامہ کے

تھوڑی دیر بعد ایک تقریر میں کہا کہ

"عیسائی تہذیب کا استحکام اس ہولناک خطرہ کو دور کرنے کے لیئے ضروری ہے جو یورپ کی تاریخ میں جنم لے چکا ہے۔۔۔ لوکارنو میں جو کشمکش تھی میری نگاہ میں اس کا مقصد یہ تھا کہ کیا جرمنی آئندہ اپنی قسمت کو مغربی طاقتوں (برطانیہ اور فرانس) سے وابستہ کریگا۔ یا مغربی تہذیب کو فنا کرنے کے لئے روس کا ہاتھ دیگا۔ لوکارنو کے معنی یہ ہیں کہ جہاں تک جرمنی کی موجودہ حکومت کا تعلق ہے۔ وہ روس سے علیحدہ ہو چکی ہے اور اس نے مغربی فریق سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔"

اس کے دو سال بعد آرکس لیمیٹیڈ کی وہ تلاشی ہوئی جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں برطانیہ کے قطع تعلق کرنے کے باعث روس کی پوزیشن دنیا میں کئی جگہ نازک ہو گئی۔ چین نے روس سے تعلقات توڑ لئے۔ پولینڈ میں روسی سفیر وو ئیکاف VOIKOV قتل کر دیا گیا۔ مگر دوسری بڑی سلطنتیں روس کے ساتھ ٹکر لینے کو تیار نہ تھیں اس لئے معاملہ یہیں رک گیا۔

۱۹۲۹ء میں چینی سپہ سالار مارشل چانگ تسولن CHANG TSOLIN نے منچوریا سے نکل کر روس کی سرحدوں پر حملہ کر دیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے اس وقت منچوریا کی ریلوے کے متعلق روس کے خلاف اپنے دعووں کی تجدید کرنا مناسب سمجھا لیکن روسیوں نے چانگ کے لشکر کو آسانی سے شکست دیدی اور امریکہ کو بھی ٹکا سا جواب بھیج دیا۔

جرمنی اور روس

برطانیہ کے رویہ کے خلاف جرمنی نے روس کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کرنیکی کوشش کی۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جرمنی نے ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۹ء تک کے زمانے میں روس سے بہت سے معاہدے کئے جن میں ۸ معاہدے خاص اہمیت رکھتے تھے۔ ریپلو کا معاہدہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی تھا۔

جرمنی اور برطانیہ

مگر صلح کی کڑی شرطوں کے باوجود جرمنی نے برطانیہ کو بھی ہاتھ سے گنوانا پسند نہ کیا۔ اگر برطانیہ نے باہمی معاہدے کے لئے تگ و دو کی تو جرمنوں نے جس طرح روس سے معاہدہ کیا تھا اسی طرح برطانیہ سے بھی امن اور تعاون کا اقرار کرلیا۔ چنانچہ روس کے ساتھ ریپلو کا اور برطانیہ اور اس کے حلیفوں کے ساتھ لوکارنو کا معاہدہ ۱۹۲۵ء میں کرلیا گیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جرمنی کی اشتراکی حکومت بھی اس حکمت عملی پر چلتی تھی کہ وہ روس کو بھی ہاتھوں میں رکھے اور برطانیہ کو بھی۔ پولینڈ کے ہاتھوں روس اور جرمنی دونوں زخم خوردہ تھے اور دونوں نے تازہ حساب چکانا تھا۔ ادھر برطانیہ کو فرانس کی بڑھتی ہوئی قوت کا احساس تھا اور جرمنی

اس حقیقت سے خوب آشنا تھا اس لئے وہ برطانیہ کو فرانس کے خلاف استعمال کرنے کی دھن میں رہتا تھا۔

وہ برطانیہ کو ناراض کرکے مغرب سے پھر شکست کا منہ دیکھنا گوارا نہ کرتا تھا اور نہ پولینڈ کے ساتھ روس کو بھی دشمن بنا کر مشرق میں تباہی کا نیا دروازہ کھولنے کو تیار تھا۔

اطالیہ اور دوسری حکومتیں

اطالیہ کی حکمت عملی بھی اسی طرح دو رخی سی تھی۔ اس نے ۷ فروری ۱۹۲۴ء کو روس کی بالشویک حکومت کو تسلیم کرلیا۔ اور ۱۹۲۵ء میں برطانیہ اور فرانس کے ساتھ مل کر لوکارنو کے میثاق کی بنیاد بھی ڈالی۔ ۱۹۲۹ء میں اطالوی جرنیل بلبو (BALBO) اڑن کشتیوں کا (یعنی ان ہوائی جہازوں کا جو سمندر پر تیر بھی سکتے ہیں) ایک دستہ لیکر روس کی بحیرہ اسود کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا اور اس طرح روسی اطالوی یگانگت کی بنا استوار کی۔ اس زمانے میں جرمنی کی طرح اطالیہ بھی روس سے تجارتی معاہدے کرتا رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ برطانیہ کو روس کے انقلابی اصولوں اور فرانس کی بڑھتی ہوئی طاقت دونوں سے خطرہ تھا۔ وہ فرانس سے تو بگاڑ بھی نہ کرسکتا تھا۔ مگر روس سے بنیادی اور اصولی اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے

ایسا ہراس پیدا ہوتا تھا جو ہر ارادہ کو متزلزل کر دیتا تھا۔

فصل ششم

جاپان کی بیخوف سیاست

جاپان کو جنگ عظیم کے بعد کوئی وسیع یا زرخیز علاقہ ہاتھ نہ آیا تھا۔ جنگ عظیم کی ہولناکیوں نے اس کو بھی آئندہ کے لئے سبق سکھایا۔ جرمنی کی شکست کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اس کے ملک میں خوراک اور لڑائی کا سامان بنانے کے لئے کچے مال کی کمی تھی۔

جاپان نے اپنی حیثیت پر غور کیا۔ اور سوچا کہ اگر ایسی ہی لڑائی ہمیں گھیرے تو ہم کیا کریں؛ جاپان کا ملک جرمنی سے بھی کم حیثیت رکھتا ہے اس میں نہ کافی خوراک پیدا ہوتی ہے اور نہ کچا مال ہی موجود ہے۔ جاپان جرمنی سے بھی زیادہ غیر ملکوں کا محتاج ہے۔

اب جاپان کی نگاہیں دنیا کے نقشے پر بار بار اُٹھنے لگیں۔ جاپان کدھر جائے؟ وہ نوآبادیاں کہاں سے حاصل کرے۔ وہ شکست سے بچنے کی کیا تدبیر سوچے؟

اس کے شمال میں روس ۔ جنوب میں برطانیہ ۔ شرق میں امریکہ ا مغرب میں چین تھا۔ امریکہ میں اس کا کامیاب ہونا مشکل تھا۔ امریکہ والوں نے تو جاپانیوں کا اپنے ملک میں آکر آباد ہونا قطعاً بند کر دیا۔ امریکہ پر جاپان کو ناراضی تھی۔ مگر زور آور پر غصہ فوراً نکالنا دانائی نہیں ۔ جاپان خاموش رہا

برطانیہ سے بھی جاپان ناراض تھا۔ مگر اس سے لڑنا بھی مشکل تھا۔ تنہا جاپان برطانیہ اور اس کے حلیفوں کے منہ کیسے آئے ۔ اس لئے جاپان جنوب کی طرف برطانوی مقبوضات کا رخ نہ کر سکتا تھا۔ وہ براہ راست روس سے ٹکر لینے کو بھی تیار نہ تھا۔ اگر وہ سائبیریا میں آگے بڑھے بھی تو وسیع اور غیر آباد علاقوں کا سامنا ہے جہاں جنگ کی مصیبت تو بہت ہوتی لیکن کامیابی کے بعد مالی اور اقتصادی منافع کی کمی ہی رہتی۔

چین کے سوا جاپان فوری طور پر کسی طرف قدم نہ بڑھا سکتا تھا۔ لیکن یہاں بھی جنوبی چین میں انگریزی فرانسیسی اور امریکن مفاد کی کثرت تھی اس لئے جنوبی اور مرکزی چین کی بجائے شمالی چین کی طرف رخ کرنا آسان تھا۔

چین کی آزادی اور حدود کو برقرار رکھنے کے لئے میثاق کیلوگ KELLOG کے ذریعہ امریکہ ۔ برطانیہ روس جاپان فرانس اور بلجیم وغیرہ نے باہمی عہد و پیمان کیا ہوا تھا۔ چین مطمئن تھا کہ اگر مجھ پر حملہ ہوگا تو میرے حمائتی میرے لئے کٹ مرینگے لیکن جاپان معاہدوں کی سیاست کے علاوہ درون پردہ کی سیاست

سے خوب آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کا قدم شمالی چین کی طرف اٹھا جہاں روسی مفاد غالب ہیں اور روس سے ٹکر ہونیکا اندیشہ ہے تو برطانیہ اس کی مخالفت نہ کرے گا بلکہ اس کو روس سے الجھنے کا موقعہ دے گا۔ چنانچہ جاپان نے حالات کا اچھی طرح جائزہ لیکر اپنا وار لگایا۔ منچوریا میں ڈکیتی وغیرہ کے معمولی بہانوں کی آڑ میں اپنی فوجیں شمالی چین پر چڑھادیں۔ اور اخراجات کے لئے لنڈن کی روپیہ کی منڈی میں ساز باز شروع کیا۔ فوجیں روس کی سرحدوں کی طرف بڑھیں اور روپیہ لنڈن سے قرض ملنے لگا۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کو چین کے معاملے میں بہت دلچسپی تھی۔ اس کی تجارت چین میں وسیع پیمانے پر تھی۔ اس نے میثاق کیلوگ پر دستخط کرنے والی حکومتوں کو مشورہ کرنے کے لئے کہا۔ چین نے بھی واویلا مچایا۔ سنہ ۱۹۳۱-۳۲ء میں دنیا کی سیاست منچوریا کے مرکزی نقطہ کے گرد گردش کرنے لگی اس وقت امریکہ چین کی حمایت میں بازی لگانیکو تیار تھا۔ اور اگر دوسرے معاہد فریق ساتھ دیتے تو وہ جاپان کو شکست دیکر چین کا پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہوجاتے۔ لیکن برطانیہ کی حکومت معاہدے کے باوجود چین کی امداد پر کمربستہ نہ ہوئی۔

جنیوا GENEVA کے مقام پر نو حکومتوں کے نمائندے میثاق کیلوگ کی ذمہ داریوں پر بحث کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے۔

مجلس اقوام نے بھی اجلاس کئے۔

جاپان کا نمائندہ ماٹسواوکا MATSUOKA بہت کچھ بحثیں کرتا رہا۔ لیکن اس کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ پر جب برطانیہ کا وزیر خارجہ سر جان سائمن اٹھا اور برطانوی نقطہ نگاہ واضح کیا تو ماٹسواوکا کہہ اٹھا کہ سر جان سائمن نے بڑی قابلیت سے آدھ گھنٹے میں وہ سب باتیں کہہ دی ہیں جو میں کئی ہفتوں سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

امریکہ اور دوسری حکومتیں حیرت زدہ ہو کر رہ گئیں جاپان کو کھلی چھٹی مل گئی۔ دنیا میں عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ روس اور جاپان کی لڑائی عنقریب ہی ہونے والی ہے اور برطانوی سیاست اپنے ان دو رقیبوں کو ایک دوسرے کا سر پھوڑتے دیکھنا چاہتی ہے۔

لیکن جاپان اور روس دونوں برطانوی سیاست سے خبردار رہنا چاہتے تھے۔ نازک مرحلے آئے مگر انہوں نے فساد کی آگ کو بھڑکنے نہ دیا۔ منچوریا میں جاپان نے ایک نئی حکومت اپنے زیر سایہ قائم کی اور شمالی چین کا ایک حصہ جاپان کے زیر نگیں ہو کر رہ گیا۔

فصل ہفتم

جوار بھاٹے کا پلٹا

مغربی جمہوریتوں کی سیاست کا زوال منچوریا کے معاملے میں مجلس اقوام کی بے حسی سے ہوا۔ واشنگٹن میں بیٹھ کر نو حکومتوں نے جن معاہدے کو بڑی شان و شوکت سے طے کیا تھا اس کے پرخچے مجلس کے ایوانوں اور منچوریا کے میدانوں میں اُڑتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ناراض قوموں کے حوصلے بڑھنے لگے کہ یہ سب معاہدے اپنی لفاظی کے باوجود نفاذ کے وقت ناکارہ ثابت ہوتے ہیں اس لئے ان کو غیر ضروری اہمیت نہ دینی چاہیئے۔

اس زمانے میں جرمنی کی سیاست نے ایک اندرونی پلٹا کھایا۔ اشتراکی حکومت کی جگہ نازی حکومت قائم ہوئی اور وزیر اعظم کا عہدہ ہٹلر کے ہاتھ آیا جو تھوڑا عرصہ بعد جرمنی کا صدر اور ڈکیٹر بن کر دنیا میں نئی سیاست کی طرح ڈالنے لگا۔

فروری ۱۹۳۳ء میں اپنے نئے عہدے کا چارج لینے کے عین بعد

اس نے ایک بیان دیا جس میں اس نے ورسائی کے عہدنامے اور فرانس کے خلاف بہت کچھ کہا اور پولینڈ کو جو راستہ سمندر تک دیا گیا ہے اس کی بھی بہت شکایت کی۔ لیکن روس کے خلاف کچھ نہ کہا۔ بلکہ اس نے بالشویزم کے معاملے کو جرمنی کا ایک اندرونی سیاسی معاملہ ظاہر کیا جس کے بارے میں اس کا کسی بیرونی حکومت سے کوئی جھگڑا نہیں۔

ہٹلر کو بھی دوہری مصیبت کا سامنا تھا۔ ملک کے اندر وہ اشتراکیوں اور بالشویکوں کا مخالف تھا اور انہی پارٹیوں کو شکست دے کر اس نے اپنا اقتدار قائم کیا تھا۔ لیکن بیرونی سیاست میں وہ روس سے بگاڑ کرنیکا خواہش مند نہ تھا۔ اس لئے اس نے دو زبانیں اختیار کیں۔ ایک غیر سرکاری پراپیگنڈا کی زبان اور ایک سرکاری ذمہ داری کی زبان۔ چنانچہ جرمن پارلیمنٹ کی عمارت کو آگ لگنے کے کچھ روز بعد اس نے ۲ مارچ سنہ ۱۹۳۳ء کو ایک انتخابی تقریر کے دوران میں کہدیا کہ

"جرمنی کے کسی قید خانے میں رہنا سوویٹ روس میں آزاد رہنے سے بہتر ہے"

لیکن یہ تقریر الیکشن کی تقریر تھی اور اس نے بالشویک اور اشتراکی پارٹی کے خلاف ووٹ حاصل کرنے تھے۔

مگر تین ہفتے ہی گزرے تھے کہ اس نے جرمن پارلیمنٹ میں اپنا پروگرام

پیش کرتے ہوئے ایک تقریر کی جس میں اس نے ورسائی کے معاہدے اور فرانس پر حملہ کرنے کے بعد کہا کہ

"جہاں تک سوویٹ یونین کا تعلق ہے جرمنی کی حکومت دوستانہ اور باہمی نفع رساں تعلقات قائم کرنے کی آرزومند ہے۔ موجودہ حکومت سوویٹ روس کے متعلق ایسی حکمت عملی رکھنے کی خصوصیت سے اہل ہے بالشویزم کے خلاف ہماری جدوجہد ایک اندرونی معاملہ ہے جس میں ہم بیرونی مداخلت کو کبھی برداشت نہیں کریں گے۔ لیکن اس کا کوئی اثر ان تعلقات پر نہیں پڑے گا۔ جو ہم ایسی حکومتوں کے ساتھ رکھتے ہیں جن سے ہمارے باہمی مفاد وابستہ ہیں۔

اس تقریر کے بعد اسی مارچ کے مہینے کے ختم ہونے سے پہلے ہٹلر نے بیس کروڑ مارک روس کو بطور قرضہ دیئے۔

ہٹلر نے ۵ مئی ۱۹۳۳ء کو عہد نامہ برلن کی تصدیق بھی کی جو ۱۹۲۶ء میں روس اور جرمنی کے درمیان طے ہوا تھا لیکن ۱۹۳۱ء سے لیکر ۱۹۳۳ء تک جرمن حکومت نے اس کی ازسرنو تصدیق نہ کی تھی۔ اس طرح ہٹلر نے جرمنی اور روس کے درمیان پرانے معاہدے کی تجدید کرکے باہمی تعلقات کو زیادہ مضبوط بنایا۔

اس معاہدے کی رو سے معاہدہ ریپلو کو جرمن روسی تعلقات کی بنا قرار دیا گیا۔ اور تمام سیاسی اور اقتصادی معاملات میں دوستانہ مشورہ کا عہد کیا گیا۔

تاکہ باہمی مفاد کی نگہداشت اور ترقی ہو سکے۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ اگر کسی فریق کی امن پسندی کے باوجود کوئی تیسری طاقت یا زیادہ طاقتیں اس پر حملہ کریں تو دوسرا فریق تمام جنگ کے دوران میں غیر جانبدار رہے گا۔ یہ عہد بھی کیا گیا کہ اگر ایسی جنگ کے دوران میں کوئی محارب طاقت یا طاقتیں دونوں میں سے کسی کے خلاف اقتصادی یا مالی بائیکاٹ کی طرح ڈالیں تو فریقین میں سے کوئی اس میں شامل نہیں ہوگا

اطالیہ نے بھی ۲۔ ستمبر ۱۹۳۳ء کو روس کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے اطالیہ نے عہد کیا کہ وہ کسی ایسے گروہ یا سیاسی سمجھوتے کی تائید نہ کرے گا۔ جس کا مقصد سوویٹ یونین کے مفاد کو نقصان پہنچانا ہو۔ اس معاہدہ کی اطالیہ میں بہت تعریف کی گئی۔ خود مسولینی نے اس کو مغربی حکومتوں کے ساتھ تعاون کا ذریعہ قرار دیا اور فخر کیا کہ اس نے روس کو گوشہ اعتزال سے نکال کر یورپ کی محفل میں بٹھا دیا ہے

جاپان اور جرمنی کی مجلس اقوام سے علیحدگی

گو روس نے جرمنی اور اطالیہ سے تعلقات بہتر بنا لئے تھے مگر جاپان کی چین میں پیش قدمی اس کے لئے خطرات کا پیش خیمہ تھی۔ برطانیہ سے اس کی ان بن مدت سے چلی ہی آ رہی تھی۔ امریکہ کے ساتھ بنتی نہ تھی۔ جاپان کی کھلی مخالفت مشرق میں اور وہ بھی برطانیہ کی تائید و حمایت سے ، اس کے لئے نئے مسائل

کا دروازہ کھول رہی تھی۔ سٹالین نے روس کی صنعت اور تجارت کو ترقی دینے اور فوجی قوت کو بڑھانے کے لئے ایک پانچ سالہ سکیم جاری کر رکھی تھی۔ اس سکیم کو پانچ کی بجائے چار سالوں میں ہی ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور بہت سے صنعتی کاموں کو چھوڑ کر سامان جنگ کی تیاری میں سرگرمی دکھائی گئی۔

جنوری ۱۹۳۳ء میں اس سکیم کی تکمیل پر سٹالین نے ایک تقریر کے دوران میں سوویٹ حکومت کی جدوجہد اور اس کے گرد منڈلانے والے خطرات کا تذکرہ اس طرح کیا۔

"ہماری پانچ سالہ سکیم کا بنیادی کام یہ تھا کہ سوویٹ یونین کو ایک ایسے کمزور ملک کی حیثیت سے جو زراعتی تھا، اور سرمایہ دار ممالک کے تلون طبع کا شکار رہتا تھا، ترقی دیکر ایک طاقتور صنعتی علاقہ بنا دیں جو سرمایہ دار دنیا کے تلون طبع سے بالکل آزاد اور غیر مختلج ہو۔

"یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے پروگرام میں چھ فیصدی کمی رہی ہے مگر اس کا سبب یہ ہے کہ چونکہ ہمارے ہمسایہ ملکوں نے ہمارے ساتھ عدم مباذرت NON-AGGRESSION کے میثاق کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مشرق بعید میں پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں اس لئے ہمیں مجبوراً جلدی سے بعض کارخانوں کا تحفظ کے جدید آلات کی تیاری پر لگانا پڑا تاکہ ہم قومی تحفظ کو مستحکم کر سکیں۔ ان کارخانوں کو نئے کام پر لگانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں چار مہینہ تک صنعتی کام رک

گیا۔ اس لئے ۱۹۳۲ء میں مال کی تیاری کے عام پروگرام کی تکمیل پر اثر پڑنا لازمی تھا۔ مگر اس کارروائی سے ہم اپنے ملک کے فوجی تحفظات کی خامیوں کو دور کر سکے ہیں؛۔

سٹالین نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ ایسا نہ کیا جاتا تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا۔ اس نے بیان کیا کہ :۔

"پھر ہم جدید ترین سامانِ تحفظ سے محروم رہتے جس کے بغیر ملک کی آزادی ناممکن ہے اور جس کے بغیر ملک بیرونی دشمنوں کی فوجی کارروائیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اس صورت میں ہماری حالت کم و بیش موجودہ چین کی سی ہوتی جس کے پاس بڑے صنعتی کارخانے نہیں اور جس کو جو ملک چاہے لوٹنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ایسے حالات میں ہمیں فوجی مداخلت کا سامنا کرنا ہوتا۔ پھر عدم مبارزت کے معاہدے نہ ہوتے بلکہ جنگ، خطرناک اور مہلک جنگ، خونریز اور غیر مساوی جنگ کا سامنا ہوتا کیونکہ اس جنگ میں ہم دشمنوں کے مقابلے میں تقریباً بے ہتھیار ہوتے اور ان کے پاس حملہ کے جدید ترین آلات کا ذخیرہ ہوتا"۔

اس طرح روس نے اپنی آزادی کی حفاظت کا پہلا طریقہ یہ اختیار کیا کہ سامانِ جنگ کی بیش از پیش تیاری کی اور اپنی فوجی بحری اور ہوائی قوت کو بڑھایا۔ دوسرا طریقہ یہ سوچا کہ برطانیہ اور اس کے حلیفوں کے ساتھ دوستانہ

رابطہ کو بڑھانیکی کوشش کی جائے تاکہ برطانیہ جاپان وغیرہ کو اس کے خلاف اکسانے کی حکمت عملی سے باز آجائے

اس وقت جاپان مجلس اقوام کی کارروائیوں سے تنگ آچکا تھا۔ کیونکہ اس کے خلاف فیصلہ دیا گیا تھا۔ اور اس کے کاروبار میں نقصان ہو رہا تھا۔ جاپان نے مجلس اقوام سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کیا اور ۱۹۳۳ء کے موسم بہار میں اس ارادے کا باقاعدہ نوٹس بھی دے دیا۔ کیونکہ دو سال قبل نوٹس دینا ضروری تھا۔

جاپان کی جگہ مجلس اقوام میں خالی دیکھکر روس کے ارباب بست و کشاد نے سوچا کہ اب چونکہ جاپان برطانیہ کی اندرونی امداد کے باوجود مجلس اقوام سے ناراض ہے اور برطانیہ پر بھی اس کا اثر ہے اس لئے مشرق میں جاپان کی روک تھام اور مغرب میں بہتر حالات پیدا کرنے کے لئے مجلس اقوام میں شامل ہوا جائے۔ روس کا وزیر خارجہ اس حکمت عملی کا سرگرم حامی تھا اور اب اس نے دل کھول کر مجلس اقوام کی کارروائی میں حصہ لینا شروع کیا۔ یہ سنہ ۱۹۳۴ء کا زمانہ تھا۔

جرمنوں کی چالاکی تدبیر

ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ سنہ ۱۹۲۱ء سے لیکر سنہ ۱۹۳۳ء تک جرمنی کے

تعلقات روس کے ساتھ دوستانہ چلے آرہے تھے۔ گو غیر سرکاری طور پر بالشویک اصولوں کی جرمنی میں بیحد مخالفت ہوتی تھی۔ ابھی تک روس مجلس اقوام میں نہ تھا۔ مگر جرمنی اور اطالیہ دونوں اس میں شامل تھے جاپان کی علیحدگی پر جرمنی نے ۱۹۳۳ء کے موسم خزاں میں جاپان کا ساتھ دیا اور اطالیہ اندر بیٹھا اپنی ریشہ دوانیاں کرتا رہا۔

سر جان سائمن نے جاپان کی جو حمایت کی تھی وہ روس اور جاپان کے تعلقات میں تلخی تو پیدا کر سکی مگر اب دنیا کا امن نئے ڈھنگ سے خطرے میں پڑنے لگا۔ جاپان تو روس کی مشرقی سرحدوں پر ایک لشکر جرار لئے سرگرم عمل تھا ہی۔ اب مغربی سرحدوں پر جرمنی کی فوجی قوت پر پرزے سنبھالتی نظر آنے لگی۔ چونکہ مجلس اقوام تحدید اسلحہ کی کوئی تجویز منظور نہ کر سکتی تھی اور جرمنی کے غیر مسلح کر دیئے جانے کے بعد فرانس اپنے اسلحہ میں کمی کرنے کو تیار نہ تھا بلکہ اور سلطنتیں بھی اس بارے میں چالاکی اور مطلب پرستی سے کام لے رہی تھیں اس لئے ہٹلر نے ورسائی کے معاہدہ کی تحدید اسلحہ کی شق کی خفیہ خلاف ورزی شروع کر دی اور نئے سے نئے اور زیادہ سے زیادہ ہتھیار بننے لگے۔

فرانس کا رخ روس کو دونوں طرف سے خدشہ بڑھا۔ مگر روس سے زیادہ فرانس کو لڑائی کا خوف کھا رہا تھا۔ گزشتہ جنگ

کی تباہ کاریوں کی یاد اسے ابھی تازہ تھی اور نئی جنگ کے خیال سے ہر فرانسیسی لرزتا تھا۔ جاپان اور جرمنی کو جنگ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے دیکھ کر فرانس نے روس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ اسے عدم مبازرت کا باہمی میثاق طے کرنے کے لئے کہا اور ساتھ ہی مجلس اقوام میں شامل ہونیکی دعوت دی۔ روس ہر ملک سے عدم مبازرت کا معاہدہ کرنیکو تیار تھا۔ اس لئے اسے فرانس سے ایسا معاہدہ کرنے میں کوئی باک نہ تھا۔ وہ جاپان کی جارحانہ حکمت عملی کے باعث خود دوستوں کی تلاش میں تھا۔ فرانس کی دعوت اس کے لئے نعمت غیر مترقبہ تھی۔

اسی دوران میں فرانس جرمنی اور اطالیہ سے بہتر تعلقات قائم کرنیکی فکر میں تھا۔ چنانچہ فرانس اور اطالیہ کی باہمی کوششوں سے جرمنی کو بھی ایک معاہدہ پر رضامند کر لیا گیا۔ برطانیہ بھی اس معاہدہ کا فریق بنا۔ یہ چار طاقتوں یا دول اربعہ کا میثاق ۷ جون سنہ ۱۹۳۳ء کو آخری شکل اختیار کر گیا۔ اور سب فریقوں نے اس پر اپنے اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

جرمنی اور برطانیہ کا بحری معاہدہ

جنوری سنہ ۱۹۳۴ء میں برطانیہ نے بھی جرمنی سے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے جرمنی اور برطانیہ کی بحری طاقت میں ۳۰ اور ۱۰۰ کا تناسب مقرر ہوا۔ مگر اس معاہدہ کی خبر فرانس کو بھی نہ دی گئی۔

اس طرح جرمنی نے یکے بعد دیگرے ہر کسی سے معاہدہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سلطنت یہ سمجھنے لگی کہ جرمنی کے ساتھ ہر کوئی مصلح چاہتا ہے اور اس کو راضی کر کے اپنا کام نکالتا ہے۔ ہم بھی کیوں نہ ایسا ہی رویہ اختیار کریں

پولینڈ اور جرمنی

جرمنی اور پولینڈ میں باہمی مخالفت چلی آ رہی تھی۔ لیکن پولینڈ کو روس کا خوف بھی تھا۔ پولینڈ نے ابتدا سے ہی فرانس سے معاہدہ کیا تھا جس کے ذریعے وہ جرمنی کے خلاف اکڑ سکتا تھا۔ پولینڈ کے علاوہ فرانس نے جرمنی کے خلاف شرق جنوب اور مغرب میں ایک آہنی چکر کھڑا کر رکھا تھا۔ جرمنی کو اس چکر کے توڑنے کی بھی ضرورت تھی اس لئے جرمنی ہر سلطنت سے دوستی کا دم بھر کے ان کے باہمی تعلقات کو کشیدہ بنانے کی فکر میں تھا۔

جب فرانس نے پولینڈ کو نظر انداز کر کے روما کے چار طاقتوں کے میثاق کے ذریعے جرمنی سے دوستانہ تعلقات کی بنیاد ڈالی تو پولینڈ کو خطرہ ہوا کہ کہیں فرانس اور جرمنی اس کی گرانی کا فاتحہ نہ پڑھ دیں۔ اس لئے اس نے بھی جرمنی سے دوستانہ روابط قائم کرنے کی حکمتِ عملی اختیار کی۔ وہ ۱۹۲۵ء کے لوکارنو کے میثاق سے فرانس سے دل برداشتہ تھا کہ اس نے دریائے رہائن پر امن قائم کرنے کی تدبیر تو کی مگر دسچولا کے کنارے امن قائم رکھنے کے خیال کو نظر انداز کر دیا۔ جب ۱۹۳۳ء میں چار طاقتوں کا

نیا معاہدہ ہؤا۔ تو اس کا خطرہ اور بڑھ گیا۔ چنانچہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۴ء کو دنیا نے سنا کہ پولینڈ نے جرمنی کے ساتھ دوستی کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے ہیں۔ اور مجلس اقوام کے تابوت میں ایک نئی کیل ٹھونک دی گئی ہے اب پولینڈ نے جرمنی کا حلیف بنکر چیکوسلوواکیہ کے علاقوں پر نظر کرنا شروع کی۔ وہ سلوواکیہ کے کچھ علاقوں پر قبضہ کرنے کا خواہاں تھا اور جرمنی کو بھی اس کی امداد کی ایک مرحلہ پر ضرورت تھی۔

اس طرح جرمن سیاست نے یکے بعد دیگرے روس۔ برطانیہ فرانس اور پولینڈ سے دوستی کا ہاتھ ملایا اور سب کو ایک دوسرے سے برگشتہ کر دیا ساتھ ہی اس نے ہر کسی کی کمزور حکمت عملی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی جاری رکھی اور ایشیا میں اس نے جاپان کا ساتھ دیتے ہوئے مجلس اقوام کو خیرباد کہنا ہی مناسب سمجھا۔

فصل ششم

فرانس کی نئی جدوجہد

۱۹۳۲ء کے اکتوبر کے مہینے میں تحدید اسلحہ کی کانفرنس کا اجلاس

بلایا گیا۔ جرمنی کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی گئی مگر فان نیورتھ نے جرمنی کی طرف سے اس کانفرنس میں شمولیت سے انکار کا تار بھیج دیا۔ جس میں لکھا کہ یہ کانفرنس تحدید اسلحہ کے کام میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ بڑی طاقتیں جو اسلحہ بند ہیں ہرگز پسند نہیں کرتیں کہ وہ اپنے اسلحہ میں کمی اور اپنے وعدوں کا ایفا کریں۔ اس لئے جرمنی کو اسلحہ میں برابری کا درجہ دیا جانیکی مسئلہ تجویز پر عملدرآمد نہیں ہو سکتا۔

جرمن حکومت نے اسی مساوات کی بنا پر کانفرنس میں شامل ہونا منظور کیا تھا اور چونکہ یہ شرط پوری نہیں ہو سکتی اس لئے جرمنی اب کانفرنس میں شامل ہونے سے احتراز کرنے پر مجبور ہے۔

اطالیہ نے جرمنی کی اس حرکت کی تائید کی۔ ادھر جینیوا میں کانفرنس کا اجلاس جرمنی کے تار پر غور کرنے کے لئے منعقد کیا گیا۔ چھوٹی چھوٹی ریاستیں مثلاً چیکوسلواکیہ اور یوگوسلاویہ تو سخت کارروائی کے حق میں تھیں مگر امریکہ اطالیہ اور دوسری بڑی طاقتیں نرم لہجہ اختیار کرنا پسند کرتی تھیں۔ جواب کے نرم لہجے نے جرمنی کے حوصلوں کو اور بڑھا دیا۔ چونکہ برطانیہ اور فرانس جرمنی کے خلاف سخت قسم کی کارروائی کرنے کے ناقابل نظر آئے اس لئے چھوٹی ریاستوں میں جرمنی سے بہتر تعلقات بنانیکا رجحان ترقی کر گیا۔ فرانس کو اس کا احساس اس وقت ہوا جب پولینڈ نے جرمنی سے جنوری ۱۹۳۴ء میں دوستی کا معاہدہ

کر لیا۔

فرانس اس وقت مشکلات میں تھا۔ جرمنی کی قوت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ اسے پولینڈ سے مشرق میں توقع تھی مگر اب پولینڈ اس کے ہاتھ سے جاتا نظر آتا تھا۔ وہ برطانیہ سے اپنے ملک کی حفاظت کی ذمہ داری چاہتا تھا مگر برطانیہ بھی عرصے سے اپنے آپ کو فرانس کی خاطر جنگ میں الجھانے سے گریز کرتا چلا آرہا تھا۔ اور ایسی ذمہ داری لینے کو تیار نہ تھا۔ اس لئے فرانس کی پوزیشن دن بدن نازک ہو رہی تھی۔

فروری ۱۹۳۴ء میں فرانس میں گڑبڑ ہونے لگی اور وزارت کو مستعفی ہونا پڑا۔ موسیو دومر گو وزیر اعظم ہوئے اور انہوں نے موسیو بارتھو کو وزیر خارجہ بنا دیا۔

اس زمانے میں ہٹلر اعلان کر چکا تھا کہ وہ یورپ میں پچیس سال کے لئے امن کی مشترکہ ذمہ داری کے اصول پر کاربند ہونے کو تیار ہے اگر جرمنی کو ۳ لاکھ فوج رکھنے کی اجازت دیدی جائے۔ چونکہ برطانیہ جرمنی سے الجھنا نہ چاہتا تھا۔ اور ہر جنگ سے پہلو تہی کر رہا تھا۔ اس لئے اس کا رویہ ہٹلر کے حق میں تھا۔ مگر فرانس میں مشکلات کا سامنا ہوا۔ ابتداً موسیو بارتھو اس تجویز کو تسلیم کر لینے کے حق میں تھے بشرطیکہ فرانس کی حدود اور قیام امن کی ذمہ داری پائدار صورت اختیار کرے اور انہوں نے برطانیہ کو بھیجنے کے

لئے ایک یادداشت کا مسودہ تیار بھی کیا۔ ۱۵ اپریل کو یہ مسودہ فرانسیسی وزارت کے اجلاس میں پیش ہؤا ۱۵ اور ۱۷ اپریل کے درمیان فرانسیسی ریاست نے کچھ پلٹا سا کھایا۔ اس کشمکش کے اندرونی حالات ہم تک نہیں پہنچے مگر نتیجہ یہ ہوا کہ صلح جویانہ یادداشت کی بجائے بالکل انکاری یادداشت ۱۷ اپریل کو منظور ہوکر نکلی۔ ہٹلر کے مطالبات ٹھکرا دیئے گئے۔ اور فرانس پھر برطانیہ کے نزدیک مورد الزام ٹھیرا۔ فرانسیسیوں کو یہ دکھ تھا کہ جرمنی کے طاقتور ہونے سے فرانس کو خطرہ بڑھ جائیگا لیکن برطانیہ اس خطرے کو تو بڑھنے دیتا ہے مگر فرانس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتا

برطانیہ سے ایک حد تک نا امید اور جرمنی سے ایک حد تک خوفزدہ ہوکر موسیو بارتھو نے ۷۲ سال کی عمر میں یورپ میں فرانس کے تعلقات اور حیثیت کو بہتر بنانے کے لئے مختلف ممالک کا دورہ شروع کیا۔ چوں کہ فرانس نے جرمنی کے مقابلے میں مستقل مزاجی دکھا کر ہر طرف سے خراج عقیدت وصول کیا تھا۔ اس لئے جوگوسلاویہ۔ رومانیا، چیکوسلواکیہ، اور پولینڈ میں جہاں کہیں موسیو بارتھو پہنچے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ مغرب میں برطانیہ کی امداد سے محروم ہونے کے باعث جرمنی کے مشرق اور جنوب میں فرانسیسی اثر کے اضافے کی ضرورت تھی۔ موسیو بارتھو نے ایک دفعہ پھر فرانس کی گرتی ہوئی ساکھ کو قائم کر دکھایا۔

پولینڈ نے اپنی شکایتوں کے باوجود فرانس کو کورا جواب نہ دیا اور فرانس کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن پولینڈ روس کو کسی معاہدے میں ساتھ لینے پر آمادہ نہ تھا۔ پولینڈ کی رائے روس کے بالکل برخلاف تھی۔ مگر موسیو بارتھو کی بصیرت پولینڈ اور روس کے فرق کو خوب پہچانتی تھی۔ انہوں نے پولینڈ سے دوستانہ میل ملاپ تو بڑھایا مگر روس کو نظر انداز کرنا گوارا نہ فرمایا۔ انہوں نے روس کو فرانس کے ساتھ عدم مبازرت کا معاہدہ کرنے اور مجلس اقوام میں شامل ہونے کی دعوت دی روس بھی جاپان۔ جرمنی اور پولینڈ کی جارحانہ پالیسی کے جواب کی تلاش میں تھا۔ اس نے فرانس کی بات مان لی اور ستمبر ۱۹۳۴ء میں مجلس اقوام میں شامل ہو گیا۔

موسیو بارتھو اطالیہ اور جیگوسلاویہ کے تعلقات کو بہتر بنا کر اطالیہ سے اپنے اتحاد کو اور مضبوط کرنا چاہتا تھا کہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو ہنگری کے کچھ دہشت انگیزوں نے مارسیلز کے مقام پر ان کو اور جیگوسلاویہ کے بادشاہ الیگزینڈر کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ اور موسیو بارتھو کے ساتھ ان کی سکیمیں بھی ٹھنڈی ہو گئیں

فصل نہم

اطالیہ کی جارحانہ حکمت عملی

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اطالیہ جنگ عظیم کے بعد برطانیہ اور فرانس کے رویہ سے دل برداشتہ ہو چکا تھا یہی سبب تھا کہ اس نے روس کے ساتھ تعلقات استوار کرنا مناسب سمجھا حالانکہ برطانیہ اس حکمت عملی کے حق میں نہ تھا۔ مگر اطالیہ کی حکمت عملی کوئی مستقل چیز نہیں رہی ہے۔ اس نے جنگ عظیم سے پہلے مدت تک جرمنی اور آسٹریا کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ مگر جب وقت آیا تو غیر جانب دار ہو کر بیٹھ گیا اور جب دیکھا کہ اس کے حلیف ہار جائینگے تو وہ ان کے دشمنوں کے ساتھ ملکر انہیں پر حملہ آور ہو گیا۔ اس لئے جب صلح ہوئی تو اس کے نئے دوستوں نے اس پر زیادہ اعتماد نہ کیا اور اس کی قوت میں خطرناک اضافہ نہ ہونے دیا۔ جب اسے برطانیہ اور امریکہ سے ناراضی ہوئی تو اس نے روس سے یارانہ گانٹھ کر خام پیداوار اور سیاسی امداد کا انتظام کیا۔ اطالیہ کی پالیسی کے اتار چڑھاؤ اسی طرح ہوتے چلے آئے ہیں سنہ ۱۹۳۴ء کے شروع میں ہی مسولینی اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے

خواب دیکھ رہا تھا۔ جو کچھ جاپان نے منچوریا میں کیا تھا وہی اطالیہ حبشہ میں کرنا چاہتا تھا۔ جس طرح دنیا کی چھوٹی بڑی طاقتوں نے چین کو گارنٹی دی ہوئی تھی اسی طرح انہوں نے حبشہ کو بھی اس کی آزادی کی گارنٹی دی ہوئی تھی۔ اسی گارنٹی پر بھروسہ کر کے حبشہ کی حکومت نے اپنے ملک کے تحفظات کی طرف بالکل توجہ نہ دی تھی۔

منچوریا میں جاپان کی بلا روک پیش قدمی نے بتا دیا کہ مغربی یورپ کے جمہوری ممالک یعنی برطانیہ اور فرانس مل کر کوئی سخت قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں کیونکہ وہ ابھی لڑائی کے خطرے میں پڑنا نہیں چاہتے ۱۹۳۳ء تک پوزیشن بالکل واضح ہو چکی تھی۔

اب مسولینی کی باری تھی۔ مسولینی نے اپنی سکیمیں تیار کیں اور ان پر عمل کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں ہوا۔ اس نے یورپ میں ہر طرف نظر دوڑائی کہ اس کی امداد کو کون پہنچ سکتا ہے۔ وہ تنہا کسی ایسی جنگ میں پڑنا نہ چاہتا تھا جس میں نفع کی بجائے نقصان ہو۔

اس کو جرمنی میں ہٹلر نظر آیا۔ اس کی نیتیں اور ارادے مسولینی کی نیتوں اور ارادوں سے مشابہت رکھتے تھے۔ اب تک دونوں میں ملاقات نہ ہوئی تھی۔

۱۱ جون ۱۹۳۴ء کو وینس (VENICE) کے مقام پر ہٹلر اور

مسولینی کی پہلی ملاقات ہوئی مگر اس میں مسولینی کو ہٹلر کی امداد کا یقین نہ ہو سکا کہا جاتا ہے کہ ہٹلر نے مسولینی سے کہا کہ ہم ابھی جنگ کے لئے تیار نہیں ہیں اور جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ ذرا صبر سے تلوار اٹھائے بغیر ہی ہو جائیگا مگر مسولینی انتظار نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر فرانس کے ساتھ تعلقات بہتر بنائے جائیں اور جرمنی کے معاملے میں فرانس کی حمایت کا دم بھرا جائے تو فرانس سے کام لیا جا سکتا ہے۔

فرانس میں پہلے ہی موسیو لاوال وزیر خارجہ مقرر ہو چکا تھا۔ وہ موسیو بارتھو کی حکمت عملی سے بہت حد تک اختلاف رکھتا تھا۔ وہ صاف کہتا تھا کہ آیا فرانس نے لڑنا ہے یا نہیں رٹنا ہے۔ اگر فرانس کی خواہش یہی ہے کہ لڑائی نہ لڑی جائے تو پھر زبردست ہمسایوں سے صلح کرنا ہی لڑائی سے بچا سکتا ہے۔ اس لئے وہ جرمنی کے ساتھ صلح کرنے کے حق میں تھا۔ اسی طرح وہ اطالیہ کے ساتھ بھی صلح ہی چاہتا تھا۔ کیونکہ ایک تو وہ بھی ایک طاقتور ہمسایہ سلطنت تھی اور دوسرے جرمنی سے جنگ کی صورت میں اگر اطالیہ غیر جانبدار رہے تو الپس کی پہاڑیوں میں فوج کثیر کا کھڑا رکھنا ضروری نہ رہتا تھا۔

جب مسولینی نے فرانس سے محبت و اخوت کا دم بھرنا شروع کیا تو موسیو لاوال کی من مانگی مراد بر آئی۔ دونوں قوموں کی لاطینی نسل۔ دونوں

قوموں کے مشترکہ مفاد۔ دونوں قوموں کا آسٹریا کی موجودہ حیثیت قائم رکھنے کا عزم ایسی باتیں تھیں جو فرانسیسی ذہن کو بھلی لگتی تھیں۔ موسیو لاوال نے روما جا کر مسولینی سے معاملات طے کرنے کی ٹھانی۔ ایک عرصہ کی ردوکد کے بعد ۴ جنوری ۱۹۳۵ء کو لاوال کی سپیشل گاڑی روما ROME کے سٹیشن پر جا ٹھیری اور مسولینی اور لاوال میں باتیں ہونے لگیں۔

۶ جنوری کو فرانسیسی سفارت خانے کی عمارت میں دونوں میں آخری ملاقات ہوئی جس میں اور معاملات طے ہو جانے کے بعد جبشہ کی قسمت کا فیصلہ ہوا۔ یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہاں کیا کیا باتیں ہوئیں۔ مگر مسولینی نے ہمیشہ کہا ہے کہ لاوال نے اسے حبشہ پر قبضہ کرنے کی اجازت دی۔ اور لاوال نے اس بات سے انکار کیا ہے۔ لیکن اتنا ماننا پڑتا ہے کہ مسولینی نے لاوال سے ایسے انداز سے باتیں کیں کہ وہ حبشہ میں اطالوی مفاد کی مخالفت نہ کرنے کا عہد کر گیا اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ نہ سکا کہ مسولینی حبشہ میں اطالوی مفاد کو کہاں تک تقویت دینا چاہتا ہے مسولینی کا کام بن گیا۔ اگر فرانس الجھنے کو تیار نہ ہو تو برطانیہ تنہا جنگ میں نہ کودے گا اور بحیرہ روم سے لیکر صومالی لینڈ تک میدان کارزار نہ بنائے گا۔ ہٹلر موافقت نہیں کر سکتا تو مخالفت نہ کرے گا۔ جاپان اطالیہ کی تائید کرے گا کیونکہ اسے اپنی منچوریا کی کارروائی کے نمونہ پر یورپ کی

ایک بڑی حکومت کی تازہ کارروائی مفید مطلب ثابت ہوگی۔ لاوال معاہدۂ روما پر دستخط کر کے گھر لوٹا اور مسولینی اپنی سکیم پر عمل کرنے کی فکر میں ہوا۔

لاوال نے حبشہ کے بارے میں وہی رویہ اختیار کرنے کی ٹھانی جو برطانیہ نے منچوریا کے معاملہ میں اختیار کیا تھا۔ اور کیا معلوم کہ لاوال کے ذہن میں یہ بات بھی کام کر رہی ہو کہ اگر برطانیہ اپنے بحرالکاہل کے مفاد کی خاطر جاپان سے بگاڑ پسند نہیں کرتا تو فرانس حبشہ کے بارے میں اپنے پڑوسی اطالیہ سے رواداری کیوں نہ برتے۔

ولول کا واقعہ

سنہ ۱۹۳۴ء کے ستمبر کے مہینے میں ایک مشترکہ کمیشن جس میں انگریز بھی شامل تھے حبشہ اور اطالیہ کے سرحدی معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے حبشہ کو گیا ہوا تھا۔ ولول کے مقام پر اطالوی اور حبشی فوجوں میں تصادم ہو گیا اور فریقین کو نقصان ہوا۔ اطالیہ نے اس معاملے کو طول دیا اور یہی آخر جنگ کا بہانہ بنا

حبشہ کا بادشاہ نجاشی ۳ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء کو ہی مجلس اقوام کو ایک یادداشت بھیج چکا تھا جس میں اس مسئلہ کو طے کرنے کی درخواست تھی مگر ۷ جنوری کو فرانس سے نیا معاہدہ ہو جانے کے باعث مسولینی کے تیور اور کے اور ہو چکے تھے۔

فرانس اور روس کا معاہدہ

ادھر مسولینی نے صومالی لینڈ اور

ایبی ٹرینیا میں فوجیں اور سامان جنگ کی بھرمار شروع کی۔ دھر موسیو لاوال کو فرانس اور روس کے باہمی معاہدے کو طے کرنا پڑا موسیو لاوال کی روس کے متعلق پالیسی وہی نہ تھی جو پہلے موسیو بارتھو کی تھی۔ لیکن وہ علانیہ اپنی پالیسی پر ابھی عملدرآمد بھی نہ کرسکتا تھا۔ اور نہ ہی روس سے عہدنامہ کرنے سے انکار کرسکتا تھا۔ وہ جرمنی کو ابھی ساتھ ملا نہ سکا تھا۔ اس لئے روس کو ہاتھ سے چھوڑنا درست نہ سمجھتا تھا۔ ۲ رمئی ۱۹۳۵ء کو روس اور فرانس کے درمیان معاہدہ طے پایا جس پر پیرس میں دستخط ہوئے اس معاہدۂ پیرس میں اور باتوں کے علاوہ قرار دیا گیا کہ:۔

" اگر روس یا فرانس کی سرحد پر مداخلت ہو تو مجلس اقوام کی کونسل کا فوری اجلاس فریقین طلب کریں گے اور اس کے فیصلے کے پابند ہوں گے سوائے اس صورت کے کہ کونسل کا فیصلہ متفقہ نہ ہو۔ پھر فریقین کو آزادیٔ عمل حاصل ہوگی اگر کھلے بندوں کسی فریق پر حملہ ہی کردیا جائے تو فریقین مجلس اقوام کی کونسل کا اجلاس طلب نہ کریں گے بلکہ اسی وقت کونسل کے اجلاس سے پہلے ہی ایک دوسرے کی موثر امداد کے لئے قدم اٹھائیں گے "

لاوال اس کے بعد روس بھی گیا اور سٹالین سے بات چیت کی لیکن وہ فوجی پابندیوں کو اپنے سر زیادہ لینے کے حق میں نہ تھا اور بات میں

تذبذب کا اظہار کرتا تھا۔ وہ دو کشتیوں میں سوار تھا۔ ماسکو میں وہ بالشویکوں کے ساتھ باہمی تعاون کی طرح ڈال رہا تھا۔ اور وہیں سے سٹالین سے ملاقات کے روز برلن تار بھیج رہا تھا۔ کہ جرمنی کو اس کے سفر ماسکو سے کوئی خدشہ نہ ہونا چاہیئے۔ اور جب تک وہ روس میں ہے یہ گمان نہ کیا جانا چاہیئے کہ وہ کوئی ایسا کام کرے گا۔ جو جرمنی کے ساتھ صلح و آشتی کی پالیسی کے خلاف ہو

جرمنی نے لاوال کی اس متذبذب حکمت عملی سے اپنا فائدہ اٹھایا۔ پولینڈ میں جرنیل پلسڈسکی (PILSUDSKI) انہیں دنوں فوت ہوا۔ اس کے جنازے کی رسم ادا ہونی تھی۔ جو مختلف ممالک کے نمائندے آئے اُن میں فرانس کی طرف سے ماسکو سے واپس ہوتے ہوئے لاوال نے شرکت کی اور جرمنی نے گورنگ GOERING کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔

پلسڈسکی کے جنازے کی رسم ادا ہو چکنے کے بعد گورنگ اور لاوال میں وارسا (WARSAW) کے یورپین ہوٹل میں ملاقات ہوئی گورنگ نے لاوال سے بحث کرتے ہوئے فرانس اور روس کے معاہدے کے اس اثر کا ذکر کیا جو فرانس کی داخلی سیاست پر پڑ سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ اس معاہدے سے فرانس میں بالشویک پارٹی کو تقویت پہنچے گی۔ اس کا اثر زیادہ ہوگا اور لاوال کی پارٹی اور دوسری پارٹیوں کو اس کا نتیجہ بھگتنا ہوگا لاوال خود ایسے خدشات رکھتا تھا اور اندرونی سیاست میں فرانس کی

بالشویک پارٹی اس کی حریف تھی۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد فرانس میں عام انتخاب ہوا۔ لاوال کو فرانسیسی بالشویکوں کے ہاتھوں ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ عام فرانسیسی اپنے ملک میں بالشویک فلسفہ کا عروج پسند نہ کرتے تھے گو خارجی سیاست میں وہ بالشویک روس کو ساتھ رکھنے کے حامی تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس اور روس کی دوستی جڑ نہ پکڑ سکی۔ باہمی امداد کے معاہدہ کے ساتھ فوجی امداد کا سوال حل نہ ہو سکا اور عہد نامہ ایک کاغذی حیثیت میں رہ گیا۔ گویا فرانس نے روس کے ساتھ دوستی کا نقصان تو برداشت کیا لیکن اس کا کوئی فائدہ اٹھا نہ سکا۔

لاوال نے فرانس کے بالشویکوں کی مخالفت سے جل کر روسی فرانسیسی معاہدہ کی تصدیق نہ کی اور اسے پارلیمنٹ سے منظوری کیلئے پیش کرنیکا حکم دیدیا۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ منظوری کے لئے عہد نامہ پیش کرنے میں بھی تاخیر کی جاتی رہی رہتی کہ لاوال وزارت سے الگ ہوگیا۔ اس کے علیحدہ ہونے کے ایک ماہ بعد یہ معاہدہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا۔ لاوال کے اچھے اچھے دوستوں نے اس کے خلاف رائے دی۔ لاوال بھی پہلے تو کہتا رہا کہ میں بھی اس کے خلاف رائے دونگا۔ لیکن جب وقت آیا تو اس نے اپنی رائے حق میں دیدی۔

انگلستان کا رویہ

انگلستان اور ہی کشمکش میں تھا۔ وہ روس اور جرمنی کے اتحاد کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اور اس لئے فرانس کی اس کوشش کو ناپسند کرتا تھا کہ وہ روس سے تعلقات بڑھا کر برلن اور ماسکو میں کشیدگی پیدا کرے۔ لیکن وہ روس کی انقلابی روح سے بیزار تھا۔ اس لئے فرانس سے اس کی بڑھتی ہوئی دوستی بھی اس کے لئے سوہان روح تھی۔ انگلستان کے مدبر فرانس روس اور جرمنی کی اس باہمی سیاسی جنگ کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے مگر وہ فیصلہ نہ کر سکتے تھے کہ خود کیا حکمت عملی اختیار کریں۔

جرمنی کا رویہ

جرمنی کا رویہ صاف تھا۔ وہ فرانس سے روس کی دوستی چھوڑ دینے کا صاف مطالبہ کرتا تھا۔ اور اپنے سے دوستی پیدا کرنے کی دعوت دیتا تھا کیونکہ اسے امید تھی کہ فرانس کی مخالفت دور ہو جانے سے اس کے بہت سے مطالبات ایک گولی چلائے بغیر ہی پورے ہو جائیں گے۔

جلشہ پر دھاوا

یورپ کی سیاست اس بھنور میں ڈانواڈول تھی کہ مسولینی نے مجلس اقوام کے فیصلہ کا انتظار کئے بغیر ۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو جلشہ پر دھاوا بول دیا۔

اب مجلس اقوام میں پھر سنسنی پیدا ہوئی۔ سیاسی مرغ پھر پھڑپھڑانے

لگے۔ نجاشی کی امداد کی درخواست پر چوپنچیں ہونے لگیں۔ چھوٹی سلطنتیں تو پھر کچھ نہ کچھ کہنے کے حق میں تھیں مگر برطانوی اور فرانسیسی سیاست کا باہمی اختلاف پھر آڑے آیا۔

جبشہ کے ارد گرد کے علاقے برطانوی قبضہ میں تھے۔ سوڈان۔ کینیا۔ صومالی لینڈ وغیرہ بالکل ساتھ تھے اس لئے برطانیہ کو اطالوی اقتدار کے بڑھنے سے خوف تھا۔ مگر۔ موسیو لاوال ۷ جنوری کو ہی مسولینی سے پابندی ہے آئے تھے۔

چین کے معاملے میں سب جاپان کی مخالفت چاہتے تھے۔ مگر برطانیہ نے سب کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ جبشہ کے معاملے میں برطانیہ قدم اٹھانیکو تیار تھا اور سر سیموئیل ہور نے مجلس اقوام کی ذمہ داریوں یورپ کے امن۔ اور کمزور قوموں کی امداد کا بہت فصاحت وبلاغت سے ذکر کیا لیکن جن لوگوں نے ۴ برس قبل سر جان سائمن کی تقریریں سنی تھیں وہ ان باتوں کو مطلب پرستی پر مبنی سمجھتے تھے۔ فرانس میں علانیہ کہا اور لکھا جانے لگا کہ یہ وعظ جاپان کے خلاف کیوں نہ فرمائے گئے۔ جب برطانیہ کو جاپان سے جھگڑا مول لینا پڑتا تھا۔ اب فرانس کو اطالیہ سے الجھانے کے لئے کل کے امن پسند آج کے جنگجو کیوں بننے لگے۔ اور جو ۱۹۳۱ء میں برطانیہ کے لئے گناہ تھا وہ آج ہمارے لئے صواب کیوں ہو گیا۔

الغرض برطانیہ کا سخت رویہ فرانس کے نزدیک قابل عمل نہ ہوا۔ ابھی موسیو لاوال ہی وزیر خارجہ تھے۔ مسولینی نے کہا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے موسیو لاوال سے پوچھکر کیا ہے۔ لاوال نے کہا کہ میں نے ایسی کوئی رضامندی نہیں دی۔

دسمبر میں لاوال اور سیموئیل ہور نے مل کر ایک راضی نامہ کی تجویز کا خاکہ پیش کیا۔ جس میں حبشہ کا کچھ علاقہ اطالیہ کے سپرد کرنے کا ذکر تھا اور کچھ برطانیہ فرانس اور دوسرے ملکوں کے زیر سایہ آزاد رکھا جانے کا مگر برطانیہ کی رائے عامہ اس تجویز سے برافروختہ ہوگئی۔ فرانس میں بھی اس کو زیادہ مقبولیت نہ ہوئی۔ اس جرم میں سر سیموئیل ہور کو وزارت خارجہ سے علیحدہ ہونا پڑا۔

جنوری ۱۹۳۶ء میں فرانس میں بھی لاوال کی حکمت عملی کے خلاف احتجاج بڑھنے لگا۔ لوگ برطانیہ سے قطع تعلق کی حکمت عملی کے نتائج سے ہراساں ہونے لگے اور آخر ۲۲ جنوری کو لاوال کی وزارت بھی مستعفی ہوگئی۔

مسولینی اپنے کام میں مصروف رہا وزارتوں کا ردوبدل اس کے ارادوں میں مزاحم نہ ہوسکا۔ اس نے سارے حبشہ پر قبضہ کر لیا اور کچھ عرصے کے بعد یکے بعد دیگرے یورپ کی حکومتوں نے حبشہ پر اطالوی شہنشاہیت کو

کسی نہ کسی حیلے بہانے سے تسلیم کر لیا گیا۔

فصل دہم

جرمنی ایک قدم آگے

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جرمنی نے ۱۹۳۳ء کے اکتوبر کے مہینے میں ہی تحدید اسلحہ کی کانفرنس میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ جرمنی پر خفیہ اسلحہ سازی کا الزام تو مدت سے لگ رہا تھا۔ اب اس نے اس بارے میں اور تیزی سے کام لیا اور ۱۶ مارچ ۱۹۳۵ء کو ہٹلر نے باضابطہ طور پر معاہدہ ورسائی کی ان پابندیوں کی تعمیل کرنے سے انکار کر دیا جو تحدید اسلحہ کے بارے میں جرمنی پر لگائی گئی تھیں اسلحہ سازی کی دوڑ یورپ میں پھر شروع ہوئی۔ لیکن برطانیہ اور فرانس نے اس کو کوئی خاص اہمیت نہ دی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جرمنی کے پاس اسلحہ کی بہت ہی کمی ہے اور وہ اتنا زیادہ سامان تیار نہ کر سکیگا جو ان کے لئے پریشانی اور زحمت کا باعث ہو۔

اطالیہ کی حبشہ میں کارروائی جاری ہونے پر اتحادیوں نے اس کے

خلاف اقتصادی سزا کا سلسلہ جاری کیا اور اس کی تجارت اور کچے مال کی درآمد پر ضرب لگائی۔ اطالیہ پھر برطانیہ اور فرانس دونوں کے ہاتھوں زخم خوردہ ہوا۔ اور اگرچہ ہٹلر نے مسولینی کو حبشہ کے بارے میں امداد کا وعدہ نہ دیا تھا تاہم جب اتحادیوں نے اقتصادی سزا دینا شروع کی تو جرمنی نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اور اس طرح مسولینی اور اطالیہ کو اپنا ممنون بنا لیا۔

اب جرمنی نے اپنی فوج بڑھانا بھی شروع کر دی تھی اور اس کی طاقت روز بروز ترقی کر رہی تھی۔

مگر ان سب باتوں سے زیادہ جس چیز نے جرمنی کو فائدہ دیا وہ ہٹلر اور اس کے حواریوں کا بالشویزم کے خلاف کھلا اور زہریلا پراپیگنڈا تھا۔ فرانس میں اشتراکیت کے خیالات تو بڑے پیمانہ پر تھے ہی۔ انتہائی اشتراکیت یعنی بالشویزم بھی وہاں زور پکڑ رہی تھی۔ فرانس اور روس کے معاہدے سے جرمنی کو جائز طور پر شکایت کا موقعہ ملا اور اس نے فرانس کے خلاف یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ فرانس یورپ میں بالشویزم رائج کرنا چاہتا ہے اور سارے یورپ کو سٹالین کے رحم پر ڈال رہا ہے۔ اس نے کہا کہ یورپ کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بالشویزم کے دیو خوں آشام سے بچائے۔ اور جرمنی اس میں ہر ملک کے ساتھ تعاون کرنے

کیتیار ہے۔

یورپ کے سب ملکوں میں سرمایہ دار پارٹیوں کے ہاتھ میں حکومت چلی آرہی تھی وہ روس کی طرح کا نظام پسند نہ کرسکتی تھیں۔ روس کے فوجی انقلاب کے بعد ہسپانیہ میں دو ووٹوں کے ذریعے ایک اشتراکی حکومت قائم ہوگئی تھی جسے روس کی ہمدردی حاصل تھی۔ گویہ بالشویک نہ تھی مگر اس کو بالشویک ہی سمجھا جاتا تھا کیونکہ یہ بالشوزم کے قریب تر اور اس کا پیش خیمہ ہی نظر آتی تھی۔ روس کے بعد سپین سے ڈرا ہوا سرمایہ دار یورپ جرمنی کے پراپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ ہٹلر کی طاقت جس قدر بڑھتی تھی لوگ اسے بالشویک روس کے خلاف وسط یورپ میں ایک آہنی دیوار سمجھتے تھے۔ عوام کا حافظہ تو کمزور ہوتا ہی ہے خواص بھی گھبراہٹ کے وقت صحیح نقطہ نگاہ کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ اور ڈوبتے کی طرح ہر تنکے کا سہارا لیتے ہیں گو وہ ڈوبنے میں مدد ہی کیوں نہ دے۔

انگلستان میں وزارت اور عوام کا ایک کافی حصہ ہٹلر کو روس کے خلاف استعمال کرنے کے حق میں تھا۔ اور اس سے صلح کا خواہاں تھا۔ فرانس میں بھی ایک کافی فریق اسی خیال کا تھا۔ اس لئے ہٹلر کی چال کامیاب ہونے لگی۔ اس کے خلاف جنگ آزما ہونے کا خیال

ایک گناہ نظر آنے لگا۔ اور روس کے خلاف اس کی تقریروں کے چرچے ہونے لگے۔ کسی نے یہ نہ پوچھا کہ ۱۹۲۱ء سے لیکر ۱۹۳۳ء تک جرمنی اور خود ہٹلر نے ہمیشہ روس کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھے ۱۹۳۴ء میں بالشویزم اس قدر گھناونی صورت کیوں اختیار کر گئی۔ سب کو علم تھا کہ روس کے مجلس اقوام میں داخل ہونیکا یہ اثر ہے۔ اور جرمنی کی خواہش ہے کہ روس فرانس اور برطانیہ کا پھر ۱۹۱۴ء کی طرح سیاسی اتحاد نہ ہو جائے مگر روس کی انقلابی ذہنیت اس کے دوستی کے ہاتھ کو ٹھکرانے میں مدد دیتی تھی۔

روس کے ہوّے کو فرانس اور برطانیہ کے سر پر اچھی طرح سوار کرتے وقت ہٹلر اپنی ضرورتوں سے غافل نہ تھا وہ روس کے ساتھ سیاسی بگاڑ کر کے بھی مراسم کو نباہ رہا تھا۔ جرمنی کے ہوا باز اور فوجی افسر روس میں تعلیم و تربیت کے لئے جاتے تھے اور روس کے ہوائی اور فوجی کارکن جرمنی میں تربیت کے لئے آتے تھے۔ زبانوں پر مخالفت تھی مگر عمل زبان کی موافقت نہ کرتا تھا۔

رھائن لینڈ پر قبضہ

جرمنی کو ان دنوں رھائن لینڈ پر قبضہ کرنے کی فکر تھی۔ یہ جرمن علاقہ جنگ کے بعد سے بے استحکام ہو چکا تھا۔ جرمنی کو اس میں فوج رکھنے یا قلعہ

بندی کی کوئی اجازت نہ تھی جرمنی نے آہستہ آہستہ بارکیں بنانی شروع کیں لیکن کوئی فوج نہ بھیجی اور جب کبھی فرانس یا کسی اور نے خطرے کا اظہار کیا تو کہدیا کہ جرمنی اس علاقے میں فوج بھیجنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ جب اطالیہ کے حبشہ پر حملہ کرنے سے فرانس اور برطانیہ میں اختلاف رائے کا مظاہرہ ہو گیا۔ تو ہٹلر نے رھائن لینڈ پر قبضہ کرنیکی سکیموں کو تیزی سے سوچنا شروع کیا۔ مگر ۲۲۔ جنوری ۱۹۳۶ء کو لاوال کی وزارت ٹوٹ گئی اور موسیو ساروت نے نئی وزارت بنائی جس میں موسیو فلانداں وزیر خارجہ بنے۔

فلانداں (FLANDIN) کی حکمت عملی لاوال سے مختلف تھی۔ وہ برطانیہ کے ساتھ مل کر کارروائی کرنے کے حق میں تھا۔ اور جرمنی اور اطالیہ کی دوستی کی خاطر برطانیہ سے بگاڑ کا قائل نہ تھا۔ اس نے برطانیہ کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ ۲۵۔ جنوری کو شاہ جارج پنجم کے جنازے میں شامل ہونے کے لئے اسے لندن جانا ہوا اور وہاں اس نے برطانوی وزراء سے گفتگوئیں شروع کیں۔

فرانس اور برطانیہ کے تعلقات کو از سر نو سنوارنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ اور جرمنی کے رہائن لینڈ پر قبضہ کرنیکی افواہیں گرم تھیں۔ فلانداں نے برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر ایڈن (EDEN) سے پوچھا کہ اگر

جرمنی رہائن لینڈ پر زبردستی قبضہ کرنا چاہے تو انگلستان کیا کرے گا۔ مسٹر ایڈن نے جواب میں یہ سوال کیا کہ اس صورت میں فرانس خود کیا کرے گا کیونکہ انگلستان کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا جب تک اس کو خود پتہ نہ ہو کہ فرانس کیا کرنے کو تیار ہے۔

فلاندان نے پیرس واپس آکر اسی سلسلہ میں فرانسیسی وزارت میں گفتگو شروع کی اور مختلف نقطہ ہائے نگاہ پیش ہونے لگے۔ فرانس اور برطانیہ کے وزیروں کا نقطہ نگاہ اس امر پر متفق ہوا کہ ایسی صورت میں فرانس اور برطانیہ کو مل کر جرمنی کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

یہ بات ایک راز سربستہ تھی مگر کسی نہ کسی کی بے احتیاطی سے جرمنی کو اطلاع مل گئی کہ فرانس اور برطانیہ جرمنی کے خلاف متحدہ کارروائی کرنیکی فکر میں ہیں۔ اس لئے اس نے دونوں کی تجویزوں کے جامۂ عمل پہننے سے پہلے اقدام کر دینے کا فیصلہ کیا۔

فرانس میں عام انتخاب ہونے والا تھا۔ اس لئے کوئی وزیر بلکہ کوئی پارٹی جنگ کی حمایت کرکے فرانس کے رائے دہندوں سے رائے حاصل نہ کر سکتی تھی۔ فرانس کے عوام جنگ کے مخالف تھے۔ جرمنی کا پراپیگنڈا بھی اپنا اثر دکھا رہا تھا۔ انگلستان میں بھی جنگ کے خلاف جذبہ تھا۔ اور ابھی تک فلاندان اور ایڈن کی تجویزیں خفیہ تھیں۔ عوام کو نہ ان کا علم

تھا اور نہ ان میں جنگ کی خواہش ابھاری گئی تھی۔ مزید براں برطانیہ اپنی جگہ اپنے آپ کو جنگ کے نا قابل سمجھتا تھا اور فرانسیسی جنرل سٹاف بھی اپنی فوج کو فوری جنگ کا اہل خیال نہ کرتا تھا۔

ہٹلر نے ۱۰ مارچ ۱۹۳۶ء کو شام کے وقت اپنے فوجی افسروں کو بلایا اور رہائن لینڈ پر قبضہ کرنے کی تجویز ان کے سامنے رکھی۔ مارشل بلومبرگ ان دنوں چیف آف سٹاف تھا۔ وہ اپنی فوج کو جنگ کے قابل نہ سمجھتا تھا۔ اس نے رہائن لینڈ میں اقدام کی مخالفت کی اور کہا کہ فرانس اور برطانیہ سے جنگ ہو جائیگی اور ہم عہدہ برآنہ ہو سکیں گے۔

مگر ہٹلر کی جاسوسی کام کر چکی تھی اور اس کا پراپیگنڈا کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے کہا کہ فوجی کارروائی کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ نہ فرانس اور نہ کوئی اور جنگ کرے گا۔ ہمیں ایک گولی چلائے بغیر قبضہ مل جائے گا

مارشل فرٹش نے جو سپہ سالار اعظم تھا کہا کہ اس وقت ہماری فوج تو تنہا فرانس کی فوج کا بھی مقابلہ بھی نہیں کر سکتی۔ میں اس اقدام کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لے سکتا

ہٹلر پریشان سا ہوا لیکن اس کی فطری امنگ اس کو سہارا دیگئی اس نے کہا کہ اگر فرانس کی فوج مقابلہ کرے تو میں فوراً خودکشی کر لوں گا اور تم میرے مرنے کے بعد فوجوں کو واپس آنے کا حکم دے کر جھگڑے

کو چکا لیجو۔ اور فساد سے بچنے کے لئے فوجوں کو کوئی سامان جنگ تقسیم نہ کرد

۷ مارچ کو صبح کے وقت ساڑھے نو بجے جرمن سفیر نے پیرس میں فرانس کے وزیر خارجہ کو ایک یادداشت جو جرمن زبان میں تھی حوالے کی جس کا ترجمہ کرنیکی ضرورت تھی پیشتر اس کے کہ وزارت اس پر غور کر سکے دس اور ساڑھے دس بجے صبح کے درمیان فرانس اور برطانیہ کے سفیروں اور بلجیم کے نمائندے کو جرمنی کے وزیر خارجہ نے برلن میں یکے بعد دیگرے ملاقات کر کے ایک یادداشت حوالے کر دی ان یادداشتوں میں کہا گیا تھا کہ جرمنی میثاق لوکارنو سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے اور رہائن لینڈ پر فوراً قبضہ کر رہا ہے۔

دوپہر کے وقت جرمن فوجیں رہائن لینڈ میں بڑھیں اور سب علاقے پر قبضہ کر لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جرمنی کی فوجوں کو کوئی کارتوس یا اور سامان جنگ نہ دیا گیا تھا۔ جرمنی نے ایک گولی چلائے بغیر ورسائی کے معاہدے کی ایک اور پابندی کو ختم کر دیا۔

فرانس اور برطانیہ کا رویہ

موسیو فلانداں جرمنی کے خلاف کارروائی کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی فوج کے افسر جرمنی سے تنہا لڑ کر کامیابی کی ذمہ داری لینے کو تیار نہ تھے۔ موسیو فلانداں نے وزارت کا فوری اجلاس بلایا لیکن برطانیہ

کی طرف سے پیغام پہنچا کہ مشورے کے بغیر کوئی ایسا قدم اٹھایا نہ جائے جو واپس لیا نہ جا سکتا ہو۔ اور میثاق لوکارنو پر دستخط کرنے والوں کا فوری اجلاس بلایا جائے۔

کارروائی معرض التوا میں پڑی، پیرس میں لوکارنو کی معاہدہ حکومتوں کے نمائندوں کا اجلاس ہوا۔ برطانیہ کسی فوری کارروائی کے حق میں نہ تھا فرانس جنگ کرنے کو تیار تھا بشرطیکہ سب اس کو اجازت دیں آخر برطانیہ کی طرف سے کہا گیا کہ مجلس اقوام کی کونسل کا اجلاس لندن میں بلایا جائے

۱۲ مارچ کو لندن میں کونسل کا اجلاس ہونا قرار پایا مگر اس دوران میں نہ فرانس کی رائے عامہ نے جنگ کے لئے سرگرمی ظاہر کی اور نہ برطانیہ میں ہی کوئی ایسا رجحان ظاہر ہوا بلکہ اس کے برعکس برطانیہ میں وزیروں کو تار پر تار آنے لگے کہ ملک کو جنگ میں نہ دھکیلو بلکہ ہٹلر سے صلح کی صورت پیدا کرو۔ فرانس میں تو حالات یہاں تک پہنچے کہ کانڈید CANDIDE یعنی، صاف گو، اخبار نے ۱۲ مارچ کو ایک مضمون لکھا جس میں موسیو فلاندن کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:-

"تم نے ۲۳ جنوری کو ہی بتایا تھا کہ روسی فرانسیسی معاہدے کی تصدیق کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ رہائن کے بائیں کنارے پر دوبارہ قلعہ بندی ہو جائیگی۔ لیکن تمہارے دماغ پر روسی فرانسیسی معاہدہ سوار تھا تم نے

گزشتہ تین ماہ سے اطالیہ کو بھوکا مارنے کی کوشش جاری کر رکھی ہے تم نے مسولینی کو اچھوت بنا رکھا ہے۔ تم اس کے خلاف انقلاب کی حمایت کر رہے ہو۔ تم بدمعاش ہو۔ دفع ہو جاؤ!!

جرمن پروپیگنڈا نے بھی روسی فرانسیسی معاہدہ کو جرمنی کے مجبوراً رہائن لینڈ پر قبضہ کرنے کی وجہ بتایا اور لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے ہٹلر نے اعلان کیا کہ مزید فوج اس علاقے میں نہ بھیجی جائیگی

ان حالات میں لندن میں مجلس اقوام کی کونسل کا اجلاس ہوا۔ موسیو فلاندان اور ان کے ساتھی جرمنی کے خلاف اقدام کے حق میں تھے مگر اب پھر وہی نقشہ دہرایا گیا جو چین اور حبشہ کے مسائل کے وقت پیدا ہوا تھا۔ اب فرانس کو شکایت تھی مگر برطانیہ جنگ کی ذمہ داری لینے کو تیار نہ تھا۔

چھوٹی ریاستیں بھی ایسا ہی رویہ اختیار کئے تھیں۔ پولینڈ والوں نے تو صاف کہدیا کہ ہم کو لوکارنو کے وقت نظرانداز کیا گیا تھا۔ ہم فرانس کے ہمدرد ہیں۔ لیکن لوکارنو کی ذمہ داریاں ہم پر عائد نہیں ہوتیں۔

اب فلاندان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا وہ تنہا فرانس کو جنگ میں دھکیلتا یا برطانیہ کو ساتھ لیکر پھر متحدہ کارروائی کے لئے آئندہ تعاون کی بنیادیں مضبوط کرتا۔

فرانس جنگ پر تیار نہ تھا۔ اس لئے اسے مجبوراً دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ سب کو گذشتہ فروگذاشتوں کا احساس ہوا اور از سر نو فرانسیسی برطانوی اتحاد کا استحکام ہونے لگا۔

یہاں یہ کہدینا مناسب ہے کہ روسی وزیر خارجہ موسیو لٹوینوف ہی ایک ایسا شخص تھا جو کونسل کے اجلاس میں فرانس کے نقطہ نگاہ کی تائید کرتا تھا۔ مگر اس پر یہ شبہ گزرتا تھا کہ وہ جرمنی اور فرانس کا تصادم کرا کے اپنا کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔

اطالیہ حبشہ کی رشوت حاصل کرنے کے باعث فرانس سے ہمدردی رکھتا تھا۔ لیکن اس کے نمائندے نے کہا کہ ہم اقتصادی سزا میں جرمنی کے خلاف حصہ نہیں لے سکتے کیونکہ ہم تو خود ہی اس سزا کو بھگت رہے ہیں۔

آخر کار موسیو فلانداں اور مسٹر ایڈن کی کوششوں سے ۱۸ مارچ ۱۹۳۶ء کو فرانس اور برطانیہ میں نیا معاہدہ ہوا جس کے ذریعے دونوں نے ایک دوسرے کی حفاظت کا ذمہ لیا اور متحدہ فوجی کاروائی کی سبیل ہونے لگی۔

اسی طرح ۷ رمارچ کی کارروائی نے فرانس کی سیاست کو پھر برطانیہ کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔ لیکن یورپ میں ہٹلر کی کامیابی وسیع الاثر

ثابت ہوئی۔

آسٹریا کی قسمت کا نیا فیصلہ

آسٹریا کی ریاست جرمن قوم سے آباد تھی اور ہٹلر کی نگاہیں اس پر لگی تھیں۔ مجلس اقوام نے اس کی آزادی کی ذمہ داری لی ہوئی تھی جرمنوں نے آسٹریا کو جرمنی میں شامل کرنے کے لئے شروع سے پروپیگنڈا جاری کر رکھا تھا۔ مگر چونکہ اوروں کے علاوہ اطالیہ بھی آسٹریا پر جرمن قبضہ کا حامی نہ تھا اس لئے ہٹلر کی آرزو پوری نہ ہوئی تھی۔ ۱۹۳۴ء میں آسٹریا کا لیڈر ڈاکٹر ڈالفس (DOLFUSS) جو جرمنی کے ساتھ آسٹریا کے الحاق کا مخالف تھا قتل کر دیا گیا تھا اور دونوں ملکوں میں سخت کشمکش چلی آتی تھی۔

۱۹۳۵ء میں ہٹلر نے آسٹریا پر چڑھائی کرنے کی نیت کی مگر اس کو معلوم ہوا کہ اطالیہ اس کی مخالفت میں جنگ کرے گا۔ اس زمانے تک اطالیہ اور جرمنی کے تعلقات گہرے اور دوستانہ نہ تھے۔ بلکہ بہت حد تک رقابت چلی آتی تھی۔

مگر جب ۱۹۳۵ء کے آخر میں مسولینی نے حبشہ کے خلاف مہم شروع کر دی اور مجلس اقوام نے اس کے خلاف تجارتی بائیکاٹ شروع کیا تو اسے جرمنی کی ضرورت پڑی۔ جرمنی نے بھی موقعہ کو غنیمت جان کر

اطالیہ کی حمایت کی اور اس طرح روما اور برلن کے تعاون کی نیو دھری جوں جوں حبشہ کی جنگ طول پکڑتی گئی ہٹلر کو بہتر موقع ملتا گیا۔

رہائن لینڈ پر قبضہ کرنے کے بعد اُس نے آسٹریا کی طرف رخ کیا۔ گو فرانس اور برطانیہ تعاون کی نئی طرح ڈال چکے تھے لیکن وہ فوری جنگ کو تیار نہ تھے بلکہ اس سے کتراتے تھے۔ برطانیہ روس کو ساتھ لینے کے لئے تیار نہ تھا۔ ان حالات میں ضرورت تھی کہ آسٹریا جنگ کا سبب نہ بنے۔ اس لئے برطانیہ کا وزیر مسٹر آسٹن چیمبرلین اس زمانے میں وائنا پہنچا اور آسٹریا والوں کو مشورہ دیا کہ وہ اطالیہ پر بھروسہ نہ رکھیں اور جرمنی سے بہتر تعلقات پیدا کریں۔ آسٹریا کا چانسلر شوشنگ (SCHUSCHNIG) روما گیا اور وہاں مسولینی نے بھی اس کو ایسا ہی مشورہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آسٹریا اور جرمنی نے بہتر تعلقات قائم کرنے کے لئے گفت و شنید جاری کر دی جس میں کامیابی ہوئی۔ ۱۱ر جولائی ۱۹۳۶ء کو جرمن آسٹروی معاہدہ پر دستخط ہونے کے وقت مسولینی نے بھی مبارکباد کا پیغام بھیجا۔

روما برلن محور

۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اطالیہ کا وزیر خارجہ کاونٹ چیانو جو مسولینی کا داماد بھی ہے میونخ اور برلن کے سفر پر روانہ ہوا اور کچھ گفتگو کے بعد جرمنی اور اطالیہ

میں ایک خفیہ معاہدہ ہو کر روما برلن محور کی بنیاد رکھی گئی۔ جرمنی اور اطالیہ کے تعلقات نہ صرف بہتر ہوئے بلکہ ان میں آئندہ یگانگت قائم رکھنے کا مصمم ارادہ کیا گیا۔

ہسپانیہ میں فوجی انقلاب

محور کے اس قیام کی تہ میں ہسپانیہ کا معاملہ بھی کارفرما تھا۔ عرصے سے مسولینی اور ہٹلر اس ملک میں سازش کر رہے تھے۔ وہاں کی اشتراکی حکومت ان دونوں کی نظر میں کھٹکتی تھی اور وہاں کے غیر اشتراکی عناصر انتخاب میں شکست کھا کر فوجی کارروائی سے حکومت کی باگ ڈور زبردستی اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتے تھے۔ وہ برسوں سے جرمنی اور اطالیہ سے خفیہ امداد لے رہے تھے۔ اور عہد و پیمان کر چکے تھے۔ جرمنی اور اطالیہ یہ جان چکے تھے کہ برطانیہ اور فرانس ہسپانیہ کے معاملے میں بھی ان کے خلاف فوجی کارروائی نہ کر سکیں گے۔ اس لئے وہ اپنے پروگرام کی تکمیل کی فکر میں ہوئے۔

مسولینی جشہ سے فارغ ہو چکا تھا۔ اطالیہ میں اس کا اثر و رسوخ بادشاہ کے اثر و رسوخ کو بھی مات کر گیا تھا۔ یورپ کی سیاست میں اُس کا پلہ بھاری ہو چکا تھا۔ ہٹلر کی کامیابیاں بھی دنیا کی آنکھوں کو چکا چوند کر رہی تھیں۔ جاپان مشرق میں جرمنی کے زیادہ قریب آ رہا تھا۔ کیونکہ اس کی

نہ برطانیہ اور امریکہ سے بنتی تھی اور نہ روس سے ہی اس کا سمجھوتہ ہو سکتا تھا۔

وقت کو غنیمت جان کر مسولینی اور ہٹلر نے ہسپانیہ والی گہری سازش کو منظر عام پر لانے کا فیصلہ کیا۔ وہ ہسپانیہ کو ساتھ لیکر فرانس کو جنوب مغرب سے مشکل میں ڈالنا چاہتے تھے۔ وہ افریقہ کی نوآبادیوں کو فرانس سے منقطع کرنے کے خواہاں تھے۔ وہ جبرالٹر پہ برطانیہ کے بحر روم اور بحر اوقیانوس کے راستوں پر بھی اثر انداز ہونا چاہتے تھے، ہسپانیہ کی جغرافیائی حیثیت، بحیرہ روم میں اس کے بیلی آرک (BALEARIC) جزائر۔ اوقیانوس میں اس کے کناری (CANARESE) جزائر اور شمالی افریقہ میں مراکو۔ اور رایو ڈی ورو وغیرہ کے علاقے بہت فوجی اہمیت رکھتے تھے۔

جرمنی اور اطالیہ عرصے سے ان علاقوں میں سامان جنگ پہنچا رہے تھے۔ آخر مقررہ وقت آیا اور ۱۷ جولائی ۱۹۳۶ء کو ہسپانیہ میں خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔ جنرل فرینکو نے جمہوری ہسپانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اطالیہ اور جرمنی باغیوں کے کھلم کھلا حامی بنے اور چین اور جانشینہ کی طرح ہسپانوی حکومت بھی مجلس اقوام سے امداد کی گدائی کرنے لگی۔

برطانیہ اور فرانس آنے والے خطرات سے آگاہ تھے اور موجودہ پوزیشن کو بھی دیکھ رہے تھے۔ مگر وہ ابھی تک سخت کارروائی کرنے کی

جرأت نہ کرتے تھے۔ بلکہ ہسپانوی خانہ جنگی کی طوالت سے یہ ثابت ہوتا گیا کہ فرانس اور برطانیہ ہسپانوی جمہوریت کو تباہ ہوتا دیکھنے سے پریشان نہیں۔

ہٹلر اور مسولینی تو باغیوں کو ہزارہا فوج اور بے شمار سامانِ جنگ اور روپیہ سے مدد دیتے رہے اور انہوں نے فرینکو کی لڑائی کو اپنی لڑائی بنا لیا۔ لیکن مجلس اقوام نے برطانیہ اور فرانس کی سرکردگی میں عدم مداخلت NON-INTERVENTION کی حکمت عملی اختیار کی۔

اوّل اوّل تو روس اور فرانس سے جمہوریت اور بالشویزم کے حامی نوجوان فرانس کے راستے ہسپانیہ میں داخل ہو کر جمہوری فوجوں کا ساتھ دیتے رہے لیکن عدم مداخلت کی حکمت عملی نے خشکی کے راستے جمہوریت کو امداد دینا بند کر دیا۔ نہ سامانِ جنگ قیمتاً دیا جاتا تھا۔ نہ آدمیوں کو گزرنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ جرمنی اور اطالیہ بھی اس عدم مداخلت کی حکمت عملی کے حامی تھے مگر برطانیہ اور فرانس کے رویّے نے تو جمہوری حکومت کو امداد پہنچانا روک دیا اور ہٹلر اور مسولینی کے نگراں افسر خود ہی باغیوں کو بیش از بیش امداد پہنچاتے رہے۔

دراصل برطانیہ اور فرانس اس وقت روسی اثر کو یورپ میں پنپتا دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ ہسپانیہ ان کو مغربی روس نظر آتا تھا۔ اس لئے

وہ غریبوں کی حکومت کی بجائے سرمایہ داروں کی حکومت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور مسولینی اور ہٹلر کے ارادوں سے تصادم گوارا نہ کرتے تھے وہ ان کے حوصلے اور بڑھا کر انہیں بالشویک روس سے دست و گریباں دیکھنے میں زیادہ خوش تھے۔

جاپان اور جرمنی اسپانیہ کی خانہ جنگی ابھی ابتدائی مراحل میں تھی کہ ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء کو برلن اور ٹوکیو میں باہمی معاہدہ ہو گیا اور روما برلن محور کے ساتھ برلن ٹوکیو محور قائم ہوا۔ جاپان جرمنی اور اٹالیہ کی یکجہتی سے بحرالکاہل۔ بحیرہ روم بحیرہ احمر اور بحر اوقیانوس میں محوری اثر اپنا رنگ اور بھی دکھانے لگا۔

فصل یازدہم

چھوٹی سلطنتوں کی سیاست

روما اور برلن کا تعاون ہسپانیہ کی جنگ میں گہرا۔ کھلا اور موثر ہو گیا اس کے مقابلے میں لندن اور پیرس کا تعاون کوئی عملی صورت پیش کرنے سے قاصر رہا۔ لندن اور پیرس کی سیاست نہ اپنے تذبذب کو دور کر سکی نہ

نہ اپنے خدشات سے پیچھا چھڑا سکی۔ نہ اسے روس اور جرمنی کے درمیان قطعی فیصلہ کرنے کی جرأت ہوئی۔ وہ روس کو قریب تر سمجھتی تھی مگر اس کے اثرات سے لرزہ براندام تھی۔ جرمنی کو وہ ملک وحقوق کا دعویدار سمجھتی تھی اس لئے اس کے سرمایہ دار ہونے کے باوجود اس سے صلح کی صورت نہ ہو سکتی تھی۔ ہر رعایت کمزوری سمجھی جاتی تھی اور لندن برلن اتحاد جرمنی کے سب مطالبات کو آسانی سے مان کر اسے اپنے ساتھ لینے سے بھی خائف تھا۔ اس طرح وہ نہ روس سے جرمنی کے خلاف اور نہ جرمنی سے روس کے خلاف کام لے سکا گو وہ اس بات کو ترجیح دیتا تھا کہ جرمنی کو ساتھ لیا جائے اور روسی انقلابی اثرات کا تدارک کیا جائے۔

پرتگال روما اور برلن کی مشترکہ اور منفردہ کارروائیوں نے یورپ میں جو اثر کیا وہ یہ تھا کہ پرتگال جو جنگ عظیم سے برطانیہ کا ساتھی تھا اب ہسپانیہ میں اطالوی اور جرمن اثر کو دیکھ کر برطانیہ سے کنارہ کش ہوا اور محوری طاقتوں کی طرف مائل ہو گیا۔

جوگوسلاویہ جوگوسلاویہ نے رومانیہ اور چیکوسلوواکیہ سے باہمی امداد کا معاہدہ کر رکھا تھا جس کو چھوٹے اتحاد-Littleen TenTE کا نام دیا جاتا تھا۔ اب اس اتحاد کی کڑیاں بھی شکستہ ہونے لگیں۔ جوگوسلاویہ اطالیہ کا ہمسایہ ملک ہے اس میں جرمن آبادی بھی ہے

اس کے وزیر اعظم موسیو سٹویا ڈینو وچ STOYADINOVITCH نے اندر ہی اندر پولینڈ اور دوسرے ملکوں سے محوری طاقتوں کے حق میں سازباز شروع کر دیا۔ یہ فرانس کی اس حکمت عملی کا نتیجہ تھا۔ جو اس نے اطالیہ کے بارے میں اختیار کر رکھی تھی۔ جب لاوال روما میں آکر فرانس اور اطالیہ کے باہمی دوستی کے معاہدے پر دستخط کر گیا تھا۔ تو اس نے جوگوسلادیہ کی حکومت کے سوال پر کہ اب انہیں کیا کرنا ہے۔ یہ کہہ دیا تھا کہ ہم نے اطالیہ سے صلح کر لی ہے تم کو بھی صلح کر لینی چاہئیے۔

برطانیہ اور فرانس کی مذبذب سیاست نے یورپ کے چھوٹے ملکوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا اس لئے عام طور پر یہ کوشش ہونے لگی کہ اطالیہ اور جرمنی کو خوش کر کے اپنی زندگی بہتر بنائی جائے۔ چنانچہ سٹویا دینو وچ نے ۲۴ رجنوری ۱۹۳۷ء کو بلغاریہ سے معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدہ میں بلغاریہ اور جوگوسلادیہ کی دائمی دوستی کا عہد کیا گیا اور اس طرح جوگوسلادیہ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی جو اس نے مدت سے رومانیہ اور چیکوسلوواکیہ سے کر رکھا تھا اور جس میں یونان بھی شامل ہو چکا تھا کیونکہ اس معاہدے کی رو سے اگر بلغاریہ کسی وقت یونان یا رومانیہ پر حملہ کرتے تو جوگوسلاو ان کی امداد کا پابند تھا۔ بلغاریہ کے ساتھ دائمی دوستی معاہدے کے متضاد تھی اس لئے اس معاہدہ کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں۔

۲۵ مارچ ۱۹۳۷ء کو سٹویا دنیو وچ نے اطالیہ سے بھی معاہدہ کرلیا۔ اس معاہدے کی رو سے گو اطالیہ نے وعدہ کیا کہ وہ جوگوسلاویہ کے خلاف ہنگری کے مطالبات کی تائید نہیں کرے گا۔ لیکن دوسری طرف جوگوسلاویہ کو یہ عہد کرنا پڑا کہ اگر ہنگری چیکوسلوواکیہ کے خلاف مطالبات کرے تو جوگوسلاویہ چیکوسلوواکیہ کی امداد پر نہ آئیگا۔ علاوہ ازیں جوگوسلاویہ نے یہ پابندی بھی اپنے ذمے لی کہ خارجی معاملات کی ہر حکمت عملی کے بارے میں آئندہ جوگوسلاویہ اطالیہ سے مشورہ کیا کرے گا اس طرح چیکوسلوواکیہ سے امداد رک گئی۔ اور برطانیہ فرانس کے لئے مرکزی یورپ میں سیاسی کارروائی کرنے کے راستے میں تازہ رکاوٹ پیدا ہوگئی کیونکہ جوگوسلاویہ ہر حال میں اطالیہ سے مشورہ کرنے کا عہد کرچکا تھا۔

پولینڈ پولینڈ کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ چار طاقتوں کے معاہدے کے بعد وہ جرمنی سے دوستی کا معاہدہ کرچکا تھا۔ یہ بھی کہا جاچکا ہے کہ وہ روس کو کسی معاہدے میں اپنا شریک بنانا پسند نہ کرتا تھا۔ اس لئے موسیو بارتھو مشرقی یورپ میں کوئی متحدہ محاذ جرمنی کے خلاف نہ بنا سکا تھا۔

پولینڈ کا وزیر اعظم کرنل بیک (BECK) اس بات سے بیحد ناراض

تھا کہ فرانس اور برطانیہ اس کو ایک بڑی طاقت نہیں سمجھتے اور اس کا شمار چھوٹی طاقتوں میں کرتے ہیں۔ وہ روس سے بگاڑ رکھتا تھا اور اس کے ساتھ مل بیٹھنے کو مطلقاً تیار نہ تھا۔ وہ جرمنی کے خلاف مشرق میں اپنے آپ کو ایک مضبوط مد مقابل سمجھتا تھا۔ اس نے جرمنی سے معاہدہ بھی کر لیا تھا لیکن اس پر بھی جرمنی اور پولینڈ کے تعلقات میں اطمینان پیدا نہ ہو سکتا تھا کیونکہ ڈانزگ اور راستہ (CORRIDOR) کے معاملات ایسے تھے جو ہر وقت خطرہ کے ستون بنکر کھڑے تھے۔ اس لئے وہ فرانس کو بھی قطعی جواب نہ دے سکتا تھا۔ گویا پولینڈ کی پالیسی یہ تھی کہ روس سے ہم راضی ہوں گے نہیں اور جرمنی کو ہم راضی کرینگے نہیں۔ اور فرانس کا تو ہم ساتھ دینگے لیکن جرمنی کا بھی ہم ساتھ دیں گے۔ یہ خاردار سیاست کرنل بیک کا گران قدر حصہ تھی۔

پولینڈ چیکوسلوواکیہ سے مخالفانہ چھیڑ چھاڑ کرنے لگا کیونکہ وہ سلوواکیہ کے کچھ علاقوں پر دانت رکھتا تھا اور جرمنی اس بارے میں تھوڑے سے علاقے کی رشوت پولینڈ کو دے کر سب چیکوسلوواکیہ کو ہضم کرنا چاہتا تھا۔ اسے پولینڈ کو استعمال کرنے کی ضرورت تھی۔

پولینڈ رومانیہ سے عہدنامہ کر کے روس کے خلاف ایک محاذ قائم کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات فرانس کو ناگوار تھی۔ فرانس کی کوششوں

سے دونوں ملکوں نے اعلان تو کر دیا کہ ہم کوئی ایسا معاہدہ کرنیکا ارادہ نہیں رکھتے لیکن اندرونی طور پر کوششیں جاری رکھیں دونوں نے روس کے علاقے ڈکارے ہوئے تھے اور انہیں خدشہ دامنگیر تھا کہ روس کسی نہ کسی وقت انتقامی کارروائی کرے گا۔

اس زمانے میں چونکہ روس اور فرانس باہم قریب آگئے تھے۔ اور جرمنی کو دونوں طرف سے اندیشہ تھا۔ اس لئے وہ بھی رومانیہ پر دباؤ ڈالکر اُسے پولینڈ سے سمجھوتہ کرنے پر اکسا رہا تھا تاکہ فرانس اور روس کے جرمنی کے خلاف معرکہ آرا ہونیکی صورت میں وہ اپنی شرقی سرحد پر پولینڈ اور رومانیہ کی فوجی قوت سے فائدہ اٹھا سکے۔ پولینڈ قریباً پچاس لاکھ سپاہی میدان میں لا سکتا تھا اور رومانیہ کم و بیش (۳۰) تیس لاکھ۔ یہ لشکر بہت امدادی حیثیت رکھتے تھے اور پولینڈ تو اپنے آپ کو بڑی طاقت خیال کرتا ہی تھا مگر پولینڈ اور رومانیہ کا یہ فوجی معاہدہ سرے نہ چڑھ سکا کیونکہ پولینڈ رومانیہ کو ادنیٰ درجہ دیکر جنگ کے وقت سب فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا اور رومانیہ ادنیٰ حیثیت قبول کرنیکو آمادہ نہ تھا۔

فن لینڈ

اس وقت فن لینڈ روس کے شمال مغرب میں مزے سے دن گزار رہا تھا۔ وہ بھی روس کی پرانی سلطنت سے علیحدہ ہوا تھا اور اس نے اپنی سرحدوں کو پیٹرو گراڈ کے بالکل قریب پہنچا دیا تھا۔

خلیج فن لینڈ کا سارا شمالی ساحل اس کے قبضے میں تھا۔ روسی بیڑا بوتل کے منہ میں کاک کی طرح پھنسا ہوا تھا۔

جب تک جرمنی اور روس کی باہمی آویزش موجود تھی فن لینڈ کو ہر طرف سے امداد پہنچتی تھی اور اس کی ہستی کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ ہسپانیہ کی خانہ جنگی کے زمانے میں لسے برطانیہ اور فرانس سے بھی جنگی سامان ملتا تھا اور جرمنی بھی اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ کیونکہ روس سے جنگ کی صورت میں فن لینڈ حملہ کا بہترین راستہ تھا۔ وہاں سے پٹروگراڈ PETRO-GROD کے صنعتی رقبہ پر آسانی سے قبضہ کیا جا سکتا تھا۔ روس حالات کا جائزہ لے رہا تھا اور ساری دنیا میں اپنے آپ کو تنہا پاتا تھا۔

روس نے ٹراٹسکی TROTSKY کی رائے سے اختلاف کر کے اس کو ملک بدر کر دیا تھا۔ وہ انقلاب عالم کا حامی تھا۔ مگر لینن اور سٹالن روس میں انقلاب کو مستحکم اور پائیدار کرنے کے حق میں تھے۔ وہ ساری دنیا میں بیک وقت انقلاب کو ناممکن سمجھتے تھے اس لئے ہمسایہ قوموں بلکہ سب دنیا سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے روس کو مضبوط بنا کر اگلا قدم اٹھانے کے درپے تھے۔ سٹالین کی یہی حکمت عملی برطانیہ اور امریکہ کی نگاہ میں کھٹکتی تھی۔ ٹراٹسکی جب انقلاب کو احمقانہ جلد بازی سے پیدا کرنیکا خواہاں تھا سٹالین اس کو دانایانہ صبر و تحمل سے برپا کرنے کا

ارادہ رکھتا تھا۔

چیکوسلوواکیہ چیکوسلوواکیہ کا علاقہ جرمنی کے قریب تھا اور اس کے دل میں تیر کی طرح گھسا ہوا تھا۔ اس کے ہوائی اڈے برلن سے ایک سو میل کے فاصلے پر تھے۔ وہاں سے برلن کو جلد ہی اینٹوں کا ڈھیر اور تہذیب کا آتشکدہ بنایا جا سکتا تھا۔ وہ جرمنی کی نگاہ میں کھٹکتا تھا۔ مجلس اقوام نے اس کی آزادی اور حفاظت حدود کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی تھی روس اور فرانس نے بھی خاص عہدناموں کے ذریعے اس کو حفاظت کی گارنٹی دی ہوئی تھی۔ اس نے روس کو اپنے علاقے میں ہوائی اڈے بنانے کی اجازت بھی دے رکھی تھی۔ یہی سبب تھا کہ برطانوی سیاست چیکوسلوواکیہ سے پریشان تھی۔ انہیں یہ ملک وسطی یورپ میں بالشویزم کا ہراول نظر آتا تھا۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ پولینڈ اس کے کچھ علاقے پر دانت رکھتا تھا پولینڈ کے علاوہ ہنگری بھی اس سے کچھ ملک کا مطالبہ کرتا آرہا تھا۔

جوگوسلاویہ نے ہنگری اور چیکوسلوواکیہ کے معاملات میں دخل نہ دینے کا فیصلہ اطالیہ سے کر کے چیک حکومت کو کمزور کر دیا تھا۔ اس کے اردگرد جرمن اثر کا حلقہ مضبوط اور تنگ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

بلغاریہ بلغاریہ نے جنگ عظیم میں شکست کھا کر اپنے ہمسایوں

رومانیہ یونان۔ اور جوگوسلاویہ کو علاقے سونپے تھے۔ اس لئے وہ اتحادیوں اور ان کے ساتھیوں سے ناراض چلا آتا تھا۔ اس کا جلاوطن بادشاہ فرڈیننڈ جو جنگ عظیم میں اتحادیوں سے لڑا تھا اب برلن میں بیٹھا اتحادیوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہا تھا اور وہی بلغاریہ اور جوگوسلاویہ کے معاہدہ کا ذمہ وار تھا۔

البانیہ

البانیہ کا چھوٹا سا ملک ایڈریاٹک کے کنارے آباد تھا۔ اس میں نصف سے کچھ زیادہ مسلم اور باقی عیسائی آبادی تھی۔ شاہ زوغو اس کا فرمان فرما تھا۔ وہ اطالیہ سے قرض لے کر اپنے ملک کو گرو رکھ رہا تھا۔ یہاں اطالوی سیاست نے باقی ملکوں کو بیدخل کر رکھا تھا۔

یونان

یونان برطانیہ اور فرانس کا ساتھ دے رہا تھا۔ وہ سمندر سے گھرا ہونے کے باعث بحیرہ روم میں برطانیہ اور فرانس کی متحدہ قوت کا دست نگر تھا۔ اپنے ہمسایوں سے بھی اس کی کشمکش تھی اس لئے وہ مسلسل فرانسیسی برطانوی سیاست کا حلیف رہا۔

ہنگری

ہنگری کی سیاست جرمنی سے بالکل متفق تھی۔ مخالف عناصر شکست کھا کر ناکارہ ہو چکے تھے۔ اس ریاست پر ہٹلر کو ہر طرح اعتماد تھا۔

ترکی

ترکی کی پوزیشن خطرے سے خالی نہ تھی۔ مصطفیٰ کمال کی قیادت میں اس نے اناطیولیہ اور تھریس کو آزاد کرالیا تھا۔ مگر اس کو دردانیال کو قلعہ بند کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس طرح قسطنطنیہ ہمیشہ مخالف بحری قوت کے حملہ کا آسان شکار ہو سکتا تھا۔ لوزان کانفرنس میں عصمت پاشا اور بہت سی باتیں تو منوا سکا تھا لیکن دردانیال کے بارے میں اسے اپنی نیک نیتی کا مظاہرہ کرنے کے لئے قلعہ بندیوں کا خیال چھوڑنے کی ہی ضرورت تھی۔

مگر اطالیہ کی بڑھتی ہوئی بحری قوت اور بارہ جزیروں پر اس کا قبضہ اس کو دردانیال اور سمرنا کے پر بٹھائے تھا۔ جب جاپان۔ اطالیہ اور جرمنی نے ملک گیری کی حکمت عملی اختیار کی اور پرانی زنجیروں کو توڑنے لگے تو ترکی میں بھی خطرہ پیدا ہوا۔ مصطفیٰ کمال نے دردانیال کو قلعہ بند کرنے کی تجویز کی اور مجلس اقوام سے اجازت چاہی

برطانیہ اور فرانس دنیا کے بدلتے ہوئے حالات سے تشویش میں تھے، انہوں نے رضامندی ظاہر کی اور مونٹرو (MONTREAUV) کے معاہدے کی رو سے ترکی کو دردانیال کو قلعہ بند کرنے کی اجازت مل گئی۔ مگر فرانس اور برطانیہ نے یہ شرط کی کہ ترکی ضرورت کے وقت ان کو اس قدر جنگی بیڑا بحیرہ اسود تک لے جانے دے گا جس قدر روسی بیڑا اس سمندر میں موجود ہو۔

یہ پابندی ترکی کو روس سے متصادم کرتی تھی۔ ترکی نے دردانیال کو قلعہ بند کرنے کے لئے اس کو منظور تو کیا لیکن اس کی پریشانی بڑھ گئی۔ فرانس اور برطانیہ اس کو کسی دوسری سلطنت سے جنگ ہونے کی صورت میں امداد کی گارنٹی تو نہیں دیتے تھے مگر اس سے امداد کا عہد لے چکے تھے۔

اب ترکی نے فرانس پر زور ڈالنا شروع کیا کہ ہمارے ساتھ فوجی معاہدہ کرو اور حفاظت کی ذمہ داری لو۔ مگر فرانس کا دردانیال اور ترکی میں اثر انداز ہونا برطانیہ کو گوارا نہ تھا اور فرانس کو ترکی سے زیادہ برطانیہ کی ضرورت تھی اس لئے ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۷ء میں فرانس نے ترکی کی بات پر کان نہ دھرا معاملہ معلق رہا۔

بالٹک کی ریاستیں

بحیرہ بالٹک کے کنارے کی تینوں ریاستیں امن سے زندگی بسر کر رہی تھیں۔ ان کی کوئی بڑی حیثیت نہ تھی وہ جرمنی اور روس کے مابین جنگ ہونیکی صورت میں بہت جنگی اہمیت رکھتی تھیں اگر جرمنی اور روس میں صلح ہو تو یہ ریاستیں بے حقیقت تھیں۔

البتہ لتھونیا کو پولینڈ سے پرخاش تھی۔ پولینڈ نے ۱۹۲۳ء میں اس پر حملہ کر کے اس کے سب سے بڑے شہر اور دارالخلافہ ولنا WILNA

پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اسے بدستور ناراضی چلی آتی تھی۔

اس طرح پولینڈ نے اپنی نئی آزادی کے نشے اور فوجی قوت کے گھمنڈ میں اپنے ہر ہمسائے کو ناراض کر لیا تھا۔ اور اس کے دور اُفتادہ دوست بھی اس سے خوش نہ تھے۔

امریکہ اور جاپان پر اثرات

یورپ کی اس پراگندہ سیاست کا اثر امریکہ پر تو یہ ہوا کہ ریاستہائے متحدہ کی حکومت نے قانون غیر جانبداری نافذ کر دیا اور اس کی رو سے فیصلہ کیا کہ آئندہ اگر دنیا میں کہیں جنگ ہو جائے تو امریکہ کسی فریق کو بھی سامان جنگ نہ دے گا۔

مالیات کے متعلق امریکہ ایک اور کارروائی کر چکا تھا۔ جانسن ایکٹ JOHNSON ACT کے ذریعہ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جن سلطنتوں نے اپنا پرانا قرضہ باقاعدہ قسطوں میں ادا نہ کیا ہو اس کو آئندہ قرضہ نہ دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اور ملکوں کے ساتھ برطانیہ بھی امریکہ کی امداد سے محروم ہو گیا۔ کیونکہ اقتصادی بدحالی کے دور میں اس نے بھی اپنے قرضے کی قسطیں ادا نہ کی تھیں۔

جاپان نے یورپ کی سراسیمہ سیاست سے یہ فائدہ اٹھایا کہ اس نے ۲۷ ستمبر ۱۹۳۷ء کو جرمنی کے بعد اطالیہ کو بھی اپنا باضابطہ حلیف

بنانے کی سوچی اور اطالیہ نے بھی جرمنی اور جاپان کے ۶ نومبر ۱۹۳۷ء کے مخالف بالشویزم (ANTI-COMUNUIST) معاہدے پر دستخط کر دیے

اس معاہدے پر دستخط ہونے سے پہلے ہی جاپان نے دوبارہ چین کے شمالی صوبوں پر حملہ بولدیا تھا۔ اور مجلس اقوام اور نو طاقتوں کے معاہدے پر دستخط کرنے والے لوگ پھر برسلز میں اکٹھے ہوئے مگر وہ کوئی کارروائی نہ کر سکے اگر کوئی کارروائی ہوئی۔ تو وہ یہ تھی کہ آپس کی بے ضابطہ گفتگوؤں میں بعض ملکوں کے نمائندوں نے سوویٹ روس کے نمائندوں سے جنہیں مشورے کے لئے برسلز BRUSSELS میں بلایا گیا۔ کہا یہ کہا کہ سوویٹ حکومت کو جاپان پر حملہ کرنا چاہئے کیونکہ اس کے مفاد خطرے میں ہیں۔

اس بن مانگے مشورے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوویٹ روس کے دل میں شک ہونے لگا کہ یہ بڑی بڑی حکومتیں خود تو جاپان کے خلاف کچھ کرنا نہیں چاہتیں ان کا اصلی مقصد یہی ہے کہ وہ کسی طرح روس کو جاپان سے الجھا دیں۔

جب لٹوینوف نے فرانس اور برطانیہ کو جرمنی کے خلاف کارروائی کرنے کیلئے کہا تھا تو ان کو گمان ہوا تھا کہ روس ہم کو جرمنی سے لڑانا چاہتا ہے۔ جب روسیوں سے کہا گیا کہ تم جاپان سے لڑو۔ تو روسیوں

نے سمجھا کہ ہمیں جاپان سے الجھانیکی کوشش ہے۔ بدگمانیوں کا سلسلہ اور وسیع ہوا۔ برطانیہ اور فرانس انتظار میں رہے۔ روس الجھن میں تھا۔ جرمنی جاپان اور اطالیہ اپنا پروگرام چلاتے گئے۔

فصل دوازدہم

برطانوی سیاست کی کج فہمیاں

جاپان جرمنی اور اطالیہ کے خلاف بالشویزم معاہدے سے ان کا مطلب روس سے الجھنا نہ تھا۔ جرمنی کی چالاک سیاست جانتی تھی کہ برطانیہ فرانس اور دوسرے ملکوں میں روس کی انقلابی ذہنیت کے خلاف بیحد جذبہ ہے وہ اس جذبے سے فوری وقتی فائدہ اٹھانے کی دھن میں تھے۔ اگر وہ اپنا معاہدہ براہ راست برطانیہ اور فرانس کے خلاف کرتے تو برطانیہ اور فرانس فوراً سیخ پا ہو کر مقابلے کو ڈٹ جاتے۔ لیکن ہٹلر ابھی ان دونوں کو تذبذب میں رکھ کر اپنا مطلب نکالنا چاہتا تھا۔ وہ بہت کچھ جنگ کے بغیر حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ جنگ کرنے کے قابل ہو سکے۔

اس نے شروع سے ہی اپنی مشکل کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا

وتیرہ طے کرلیا تھا۔ وہ "میری کہانی" MEIN KAMPF لکھتے وقت بھی روس کی شدید مخالفت اور برطانیہ کی مطلب اندوزانہ خوشامد کرتا تھا۔ برطانیہ کے سرمایہ پرست سیاستداں یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ جرمنی کو جنگ عظیم کی شکست کا دکھ ہے اور اس نے کسی دن ان سے بدلہ لینا ہے۔ ہٹلر بدلہ لینے کی دھن میں تھا اور وہ اپنے مطالبات سب سے کر رہا تھا۔ لیکن وہ معاہدہ ورسائی کی ہر خلاف ورزی کرتے ہوئے یہی کہتا تھا کہ میں تو صلح چاہتا ہوں۔ میں جنگ نہیں چاہتا۔ میں روس کے سوا اور کسی کو یورپ کے امن کے لئے خطرہ نہیں سمجھتا۔

ابھی روما اور برلن کا آپس میں باقاعدہ گٹھ جوڑ نہیں ہوا تھا کہ ۱۹۳۷ء میں ہی انگلستان میں آواز بلند ہونی شروع ہو گئی تھی کہ ہٹلر جو کچھ روس اور بالشویزم کے خلاف کہتا ہے وہ سب فریب محض ہے اس کا حقیقی منشا انگلستان کو نیچا دکھانا ہے۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۳۷ء میں انگلستان کے اخبار کنٹیمپوریری ریویو (CONTEMPORARY REVIEW) نے ہٹلر کے مخالف بالشویزم، پراپیگنڈا کو محض ایک گیدڑ بھبکی قرار دیا اور اسے "عظیم الشان سیاسی فریب" بتایا۔ اور جو لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ ان کو ہٹلر نے بالشویزم سے بچایا ہے اس اخبار نے ان کو "چند خود مست رندوں" یا "چند ناعاقبت اندیش ساہوکار" لکھا۔ لیکن یہ

بات عام طور پر برطانیہ یا فرانس میں ذہن نشین نہ ہو سکی۔

جرمنی اور جاپان نے ہمیشہ روس سے الجھنے سے گریز کیا۔ جاپانی روسی سرحد پر منچوکو میں کئی مرتبہ جاپانی اور روسی فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی مگر جاپان نے معاملہ کو ہر مرتبہ بڑھنے سے روکا ورنہ جنگ کے لئے تو بہانے گھڑے گھڑائے موجود تھے۔ برطانوی سیاست جرمنی اور جاپان کے اندرونے کی گہرائیوں کی جانچ نہ کر سکی۔ اور ہٹلر اور اس کے ساتھیوں سے اپنا کام نکلنے کی فکر میں رہی۔

آسٹریا کا جرمنی سے الحاق

برطانوی سیاست پر ہالشویزم کا بھوت سوار تھا۔ اور زبردست برطانیہ کے بغیر اپنے آپ کو کچھ کرنے کے قابل نہ سمجھتا تھا۔ اس لئے ہٹلر کو موقع پہ موقع ہاتھ آتا گیا۔ اٹالیہ کا اسی ہزار کا لشکر ہسپانیہ میں جنگ کر رہا تھا اور وہاں ہٹلر کی فوج دس ہزار کے قریب ہی تھی۔ جاپان چین سے الجھ چکا تھا۔ اور روز بروز گہری دلدل میں دھنسا جا رہا تھا کہ وسط مارچ ۱۹۳۸ء میں ہٹلر نے آسٹریا کو جرمنی میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔ تعلقات پچھلے سال ہی بہتر ہو چکے تھے۔ وزیر اعظم شوشنگ کو کسی سلطنت کا سہارا نہ تھا۔ اب اس کو ہٹلر کی بات ماننے سے انکار کی گنجائش کم تھی۔ جرمنی کی فوجیں یکا یک آسٹریا میں داخل ہوئیں۔ یورپ

کے مدبر آنکھیں ملتے ابھی سیدگار جلانے کی ہی فکر میں تھے کہ جرمنی نے ایک گولی چلائے بغیر آسٹریا پر قبضہ کر لیا۔

روس نے ۱۷ مارچ کو کہا کہ برطانیہ اور فرانس وغیرہ کو آسٹریا کی نجات کی خاطر متحدہ اقدام کرنا چاہیے لیکن ۲۴ مارچ کو برطانیہ نے روس کی اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ فرانس بھی آسٹریا کو بچانے کے لئے نہ بڑھا ہٹلر بن لڑے جرمنی کا ہیرو بن گیا۔ اس کی سیاست کی دھاک اور

چیکوسلوواکیہ میں ہٹلر کی کامیابی

ابھی آسٹریا کی کہانی ہر زبان پر تھی کہ ہٹلر کی نگاہیں چیکوسلوواکیہ کی طرف اٹھنے لگیں۔ برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر چیمبرلین ابھی تک ہٹلر کو تازہ سے تازہ لقمہ دے کر رام کرنے کی فکر میں تھے چیکوسلوواکیہ کی جرمن آبادی جو سیوڈیٹن لینڈ SUDETENLAND میں تھی ہٹلر اس کے آزاد کرنے کے نام پر چالیں چل رہا تھا اور سرحد پر فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکائے جا رہے تھے۔ ڈر تھا کہ کہیں امن عالم خطرے میں نہ پڑ جائے۔ ہٹلر زبردستی چیکوسلوواکیہ سے اپنے مطالبات منوانے پر اڑ کھڑا ہوا اور فوجیں اکٹھی ہونے لگیں

عین اس وقت جب عالمگیر جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے

مسٹر چیمبرلین ہوائی جہاز سے اُڑ کر اپنی چالیس برس کی چھتری (جو ان کی بیوی نے شادی کے وقت اُن کو بطور تحفہ دی تھی) لئے ہوئے جرمنی پہنچے۔ ہٹلر سے ملاقات ہوئی صلح کا راستہ تلاش کیا گیا۔ برطانیہ اور فرانس نے چیکوسلواکیہ سے لڑنے کی بجائے اسی کو الٹی میٹم دے دیا کہ وہ ان کی طے کردہ شرائط کو تسلیم کرے ورنہ وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

چیکوسلواکیہ نے روس سے امداد کے لئے کہا۔ روس نے وعدہ کیا ہوا تھا کہ اگر فرانس چیکوسلواکیہ کی حفاظت کے لئے لڑے گا تو روس بھی لڑ جائیگا۔ چیکوسلواکیہ نے فرانس کو امداد کے لئے کہا مگر اس نے ہٹلر کو رضامند کرنے کی ٹھانی ہوئی تھی۔ چیکوسلواکیہ بے یار و مددگار رہ گیا۔ سیوڈیٹن لینڈ کا علاقہ اور کچھ اور علاقے جرمنی کے حوالے کر دیئے گئے ہٹلر نے پھر سیاسی چالاکی اور جنگ کی دھمکی سے اپنا مقصد حاصل کر لیا برطانیہ اور فرانس کی ساکھ اور بھی گر گئی۔ جرمنی کا ستارہ عروج پر ہوا۔ روس نے بار بار جرمنی کے خلاف اقدام کے لئے کہا لیکن مغربی جمہوریتوں نے ایک نہ سنی۔ بلکہ میونخ کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا جس میں فرانس برطانیہ جرمنی اور اطالیہ نے باہم ملکر یورپ میں امن قائم رکھنے کا فیصلہ کیا

روس کی بدگمانی

اس معاہدہ کا اثر روس پر بہت برا پڑا۔ روس میں یہ گمان ہوا کہ آسٹریا اور چیکوسلواکیہ کے معاملوں

ہیں جرمنی کا ساتھ دے کر برطانیہ اور فرانس جو سہل انگاری دکھا رہے ہیں
اور ہسپانیہ اور چین میں جو کارروائی آرام سے ہونے دی جا رہی ہے وہ سب
روس کے خلاف ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے۔ ماسکو میں یہ یقین ہونے
لگا کہ برطانیہ اور فرانس ہٹلر اور مسولینی سے بگاڑ نہیں چاہتے اُن کو ہر قیمت
پر راضی کرنے کے خواہاں ہیں اور نیت یہ ہے کہ وہ ہٹلر کو روس پر چڑھا
دیں تاکہ وہ یوکرین وغیرہ کے علاقوں پر قبضہ کر کے وہاں اپنی نوآبادیاں
بنالے۔

جرمنی کا مقصد حل ہو گیا۔ جرمنی نے روس کو فرانس اور برطانیہ
سے الگ کرنے کی جو سکیم بنائی ہوئی تھی وہ کامیاب ثابت ہوئی روس
مغربی جمہوریتوں سے بددل ہو گیا۔ لیکن اس نے ان سے بنانے کی
حکمت عملی کو ابھی تک ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ وہ ہر ٹھوکر کے باوجود نئی
امنگوں سے برطانیہ اور فرانس کے ساتھ اتحاد عمل قائم کرنے کے درپے
تھا۔ موسیو لٹوینوف کو اس معاملے میں خاص دلچسپی تھی۔ اور جب
روس کی سیاست کا رخ آخر کار پلٹا تو انہیں وزارت عظمیٰ کے عہدہ
کا چارج موسیو مولوٹوف کو دینا پڑا۔

فصل سیز دہم

سنہ ۱۹۳۹ء کا انقلابی سال

ہسپانیہ میں جنرل فرینکو کامیاب ہو چکا تھا اور یورپ کی جمہوری اور فسطائی سلطنتیں اس گوشہ مغرب میں جمہوریت کا فاتحہ پڑھ چکی تھیں۔

چین میں جاپان کی پیش قدمی بیش از پیش جاری تھی۔ سنہ ۱۹۳۸ء کا سال گزر گیا۔

سنہ ۱۹۳۹ء کا نیا سال خطرے کی گھنٹیاں بجاتا ہوا آنکلا۔ دنیا میں قوت کے چار مرکز تھے۔ اول برطانیہ اور فرانس اپنے نئے اتحاد میں جو نازی جرمنی اور فسطائی اطالیہ سے بگاڑنہ چاہتا تھا اور بالشویک روس کے قریب نہ ہوتا تھا۔ دوم جرمنی اطالیہ اور جاپان کی فسطائی سلطنتیں جو باہم عہدوپیمان میں وابستہ تھیں۔ یہ گروہ علانیہ بالشوزم کا مخالف اور روس کا دشمن تھا۔ اور مغربی جمہوریتوں سے دامن وابستہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر دراصل وہ گزشتہ جنگ کی شکست یا فتح کے کم حصے کا بدلہ لینے پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ سوم بالشویک روس تھا جو جرمنی جاپان

اور اطالیہ کی چہار برس کی خلاف بالشویت تحریکات سے برگشتہ تھا اور مغربی جمہوریتوں سے رشتہ جوڑنے کے درپے تھا۔ مگر وہاں کی سرمایہ پسندی روس کی سرمایہ کشی کو تقویت دینے کی خواہاں نہ تھی۔ چہارم امریکہ تھا جو دولت اور وسائل کے لحاظ سے دنیا کے سب ممالک سے آزاد اور فائق حیثیت رکھتا تھا۔

وہ اس وقت یورپ اور ایشیا کے مسائل سے بالکل الگ ہو کر تنہا زندگی بسر کرنے کے درپے تھا مگر جاپان کے ہاتھوں چین میں اپنے مفاد کو ملیا میٹ ہوتا دیکھ کر بیقرار تھا۔

روس کی پریشاں حالی

سنہ ۱۹۳۸ء کے آخر اور سنہ ۱۹۳۹ء کے شروع میں روس کی کیفیت پریشانی سے خالی نہ تھی۔ وہ برطانیہ اور فرانس سے فوجی امداد کا معاہدہ کرنے کو بھی تیار تھا مگر دوسری طرف سے معشوقانہ انداز میں اشارے ہوتے تھے۔ گزشتہ چار برس میں سیاست عالم کی جو حالت تھی وہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ مگر اس کے حقائق شناس مدبر کسی غلط فہمی میں نہ تھے

۱۰ مارچ سنہ ۱۹۳۹ء کو موسیو سٹالین نے بالشویک پارٹی کی اٹھارویں کانگریس میں دنیا کے سیاسی حالات پر کھلا تبصرہ کیا اور بلا کم و کاست باتیں کہدیں۔ پارٹی کا یہ اجلاس پانچ برس کے بعد

ہوا تھا اور پانچ برس کی سیاست پہ تنقید لازم تھی۔ سٹالین نے دنیا میں اقتصادی بدحالی کے دور کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح مختلف ملکوں کو اس کا شکار ہونا پڑا اور کس طرح جاپان اطالیہ اور جرمنی نے اس سے مقابلہ کرنے کے لئے اپنی سلطنتوں کو وسعت دینے کوشش کی۔

اس نے کہا

"جاپان نے اپنی جارحانہ کارروائی کے جواز میں یہ دلیل پیش کی کہ جب نو طاقتوں کا معاہدہ ہوا تھا تو اسے دھوکا دیا گیا تھا اور اسے چین کے خرچ پر وسیع علاقوں کا قبضہ حاصل نہ کرنے دیا گیا تھا حالانکہ برطانیہ اور فرانس کے پاس بے انداز نوآبادیاں موجود ہیں۔ اطالیہ کو یاد آیا کہ جنگ عظیم کے بعد اسے مال غنیمت کا کافی حصہ نہ ملا تھا۔ اس لئے وہ برطانیہ اور فرانس کے زیر اثر علاقوں سے معاوضہ حاصل کریگا جرمنی جس نے پچھلی استعماری جنگ میں اور پھر ورسائی کے صلحنامہ میں سخت نقصان اٹھایا تھا۔ جاپان اور اطالیہ کا ہمنوا ہوا اور اس نے یورپ میں اپنے علاقے کے بڑھائے جانے اور ان نوآبادیوں کے واپس دلائے جانیکا مطالبہ کیا جو فاتحین نے اس سے چھین لی تھیں۔

"اس طرح تین مبارز طاقتوں کا جتھا بن گیا

"بزور شمشیر دنیا کی نئی تقسیم کا خطرہ لاحق ہوا۔

"ان اہم ترین واقعات کی فہرست جو نئی استعماری جنگ کے ابتدائی مراحل ہیں حسب ذیل ہے ۱۹۳۵ء میں اطالیہ نے حبشہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ جمایا۔ ۱۹۳۶ء کے موسم گرما میں جرمنی اور اطالیہ نے ہسپانیہ میں فوجی مداخلت کی۔ جرمنی نے شمالی ہسپانیہ اور ہسپانوی مراکش میں قدم جمائے اور اطالیہ نے جنوبی ہسپانیہ اور جزائر بیلی آرک (BALEARIC) میں جاپان نے منچوریا پر قبضہ کر چکنے کے بعد ۱۹۳۷ء میں شمالی اور وسطی چین پر حملہ کیا اور پیکن، تیانسن (TIENSIN) اور شنگھائی پر قبضہ کر لیا۔ اور مقبوضہ رقبوں سے غیر ملکی رقیبوں کو دھکیلنا شروع کیا ۱۹۳۸ء کے شروع میں جرمنی نے آسٹریا کو ہتھیا لیا اور اسی سال کے موسم خزاں میں چیکوسلوواکیہ کے سوڈیٹن کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۳۸ء کے آخر میں جاپان نے کینٹن (CANTON) پر قبضہ کیا۔ اور ۱۹۳۹ء کے شروع میں ہنین (HAINAN) کے جزیرے پر

"اس طرح جنگ نے جو چوری چوری قوموں کے سر پر آسوار ہوئی خاموشی سے دنیا کی پچاس کروڑ آبادی کو اپنے دامن میں لے لیا اور اپنے اثر کو ایک وسیع علاقہ میں پھیلا دیا جو تیانسین، شنگھائی اور کینٹن سے لے کر حبشہ سے ہوتا ہوا جبل الطارق تک پہنچتا ہے۔

"پہلی استعماری جنگ کے بعد فاتح سلطنتوں بالخصوص برطانیہ

"فرانس اور ریاستہائے متحدہ امریکہ نے مختلف ممالک کے درمیان نئے تعلقات پیدا کئے جسے جنگ کے بعد کا نظام صلح کہا جاتا ہے۔ اس نظام کے بڑے ستون مشرق بعید میں نو طاقتوں کا معاہدہ اور یورپ میں معاہدہ ورسائی اور دوسرے چھوٹے بڑے معاہدے تھے۔ اس نظام کے مطابق سلطنتوں کے تعلقات کو ربط دینے کے لئے مجلس اقوام کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ تمام سلطنتوں کا متحدہ محاذ بنے اور سلطنتوں کے تحفظ کے لئے اجتماعی دفاع کی سکیم چلائی جائے۔ مگر تینوں مبارز سلطنتوں اور ان کی نئی استعماری جنگ نے زمانہ بعد از جنگ کے سارے نظام کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ جاپان نے نو طاقتوں کے معاہدے کی دھجیاں اڑا دیں اور جرمنی اور اطالیہ نے معاہدہ ورسائی کی اپنے ہاتھ کھلے رکھنے کے لئے ان سلطنتوں نے مجلس اقوام سے تعلق منقطع کر لیا۔

"اس طرح نئی استعماری جنگ یقینی ہو گئی۔

"اس زمانے میں عہد ناموں اور رائے عامہ کا خیال کئے بغیر یکایک زنجیریں توڑ کر جنگ میں کود پڑنا آسان کام نہیں۔ سرمایہ پرست سیاست والوں کو بھی اس کا بخوبی علم ہے اور فسطائی حاکموں کو بھی۔ اسی لئے فسطائی حاکموں نے جنگ میں کودنے سے پہلے رائے عامہ کو اپنے مقاصد کے مطابق حال بنایا یعنی اس کو غلط فہمی میں ڈالا۔ اس کو

دھوکا دیا۔

"لوگوں نے سوال کیا کہ کیا جرمنی اور اطالیہ نے یورپ میں برطانوی اور فرانسیسی مفاد کے خلاف فوجی جتھا بنا لیا ہے، انہوں نے جواب میں کہنا شروع کیا۔ اللہ ہم کو برکت دے! کیا تم اس کو جتھا کہتے ہو۔ ہمارا تو کوئی فوجی جتھا نہیں۔ ہم نے تو ایک بے ضرر برلن روما محور بنایا ہے۔ یہ تو علم ہندسہ کا ایک نشان مساوات ہے۔ (قہقہہ)

"پھر سوال ہوا کہ کیا جرمنی اطالیہ اور جاپان نے مشرق بعید میں ریاستہائے متحدہ امریکہ۔ برطانیہ اور فرانس کے مفاد کے خلاف فوجی جتھا بنا لیا ہے، جواب ملا۔ ہرگز نہیں۔ ہمارا تو کوئی فوجی جتھا نہیں ہے ہمارا تو محض ایک بے ضرر برلن روما۔ ٹوکیو۔ مثلث ہے۔ یہ تو علم ہندسے کی طرف ایک خفیف سا رجحان ہے۔ (عام قہقہہ)

"پھر سوال کیا گیا کہ کیا برطانیہ فرانس اور ریاستہائے متحدہ کے خلاف جنگ پیش نظر ہے؟ جواب ملا۔ یہ محض بکواس ہے۔ ہم تو بالشویزم کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ ان سلطنتوں سے کوئی لڑائی نہیں لڑ رہے۔ اگر تمہیں اعتبار نہ ہو تو ہمارے خلاف بالشویزم معاہدے کو دیکھ لو جو جرمنی جاپان اور اطالیہ کے درمیان ہوا ہے۔

"اس نہج پر حضرات مبارزین نے رائے عامہ کو تیار کرنا مناسب

سمجھا اگرچہ یہ تاڑلینا کچھ دشوار نہ تھا کہ لفاظی کا یہ الھڑ کھیل کس قدر بھدا ہے...... "

کامریڈ سٹالین نے جنگ کی گزشتہ کیفیت اور قوموں کی ذہنیت اور رہنماؤں کے کارناموں پر تبصرہ کرنے کے بعد یہ بھی بیان کیا کہ فی الحقیقت فسطائی قوتوں اور جمہوری قوتوں کے ارادے کیا ہیں اور روس بذات خود کیا سمجھتا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے ۔ اس نے آگے چل کر کہا ۔

" لیکن جنگ جنگ ہے ۔ یہ کسی بھیس میں بھی چھپ نہیں سکتی کوئی محور ۔ کوئی مشاث یا کوئی خلاف بالشویزم معاہدہ اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈال سکتا کہ جاپان نے چین میں ایک وسیع علاقے پر قبضہ کرلیا ہے ۔ اطالیہ نے حبشہ کو ہتھیا لیا ہے ۔ جرمنی نے آسٹریا اور سوڈیٹن لینڈ کے علاقوں پر تسلط جما لیا ہے اور جرمنی اور اطالیہ نے ملک ہسپانیہ کو دبوچ لیا ہے ۔ مگر یہ سب کچھ عدم مداخلت کے اصول پر عمل کرنیوالی طاقتوں کے مفاد کے خلاف ہے ۔ جنگ بحیثیت جنگ موجود ہے ۔ مبارز حکومتوں کا فوجی جتھا بحیثیت ایک فوجی جتھے کے موجود ہے ۔ اور مبارزین بھی بطور مبارزین موجود ہیں ۔

" نئی استعماری جنگ کا یہ امتیازی پہلو ہے کہ یہ ابھی تک عام نہیں ہوئی ابھی تک عالمگیر نہیں بنی مبارز حکومتوں نے تو جنگ

جاری کر رکھی ہے اور عدم مداخلت، پر کاربند ہونے والی ریاستوں خصوصاً برطانیہ فرانس اور ریاستہائے متحدہ کے مفاد پر ضرب لگائی ہے اور یہ حکومتیں ہر مرتبہ پیچھے ہٹیں۔ پسپا ہوئیں اور مبارزین کو ایک رعایت کے بعد دوسری رعایت دیتی گئیں۔

"اس طرح ہم دیکھ رہے ہیں کہ تارک مداخلت، ریاستوں کے خرچ پر دنیا اور حلقہ ہائے اثر کی نئی تقسیم کھلم کھلا کی جا رہی ہے اور یہ ریاستیں نہ صرف یہ کہ مقابلے کی ذرہ برابر بھی کوشش نہیں کرتیں بلکہ الٹا کسی حد تک چشم پوشی سے کام لیتی ہیں۔

"ہم اس نئی استعماری جنگ کی اس یک طرفہ اور انوکھی نوعیت کا سبب کیا سمجھیں؟

"کیا وجہ ہے کہ تارک مداخلت ملکوں نے جن کے پاس اتنے وسیع مواقع موجود ہیں، اس قدر آسانی سے اور مقابلہ کے بالکل بغیر، مبارزین کو خوش کرنے کے لئے اپنی جگہوں کو چھوڑ دیا ہے اور اپنے قول و قرار کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے ہیں؟

"کیا اس کا سبب تارک مداخلت حکومتوں کی کمزوری ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تارک مداخلت جمہوری ریاستیں اگر مل جائیں تو وہ یقیناً فسطائی ریاستوں سے زیادہ طاقتور ہیں، اقتصادی لحاظ سے بھی اور فوجی لحاظ سے بھی۔

"پھر مبارزین کو ان ریاستوں کے مسلسل مراعات دینے کا سبب ہم کیا سمجھیں؟

"کہا جا سکتا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ انہیں خوف لاحق ہے کہ اگر وہ ترک مداخلت کی پالیسی کو چھوڑ کر جنگ میں کود یں اور جنگ عالمگیر ہو گئی تو دنیا میں انقلاب نہ پھوٹ اٹھے۔ سرمایہ پرست سیاست دانوں کو بخوبی علم ہے کہ پہلی استعماری جنگ میں انقلاب ایک بڑے ملک میں تو کامیاب ہو ہی گیا۔ اس لئے ان کو اندیشہ ہے کہ دوسری استعماری جنگ میں ایک یا زیادہ ملکوں میں انقلاب کامیاب نہ ہو جائے۔

"لیکن موجودہ وقت میں ان ریاستوں کی خاموشی کا یہ نہ واحد سبب ہے اور نہ اہم ترین سبب، اہم ترین سبب یہ ہے کہ تارک مداخلت ملکوں کی اکثریت نے اور خاصکر برطانیہ و فرانس نے مشترکہ تحفظ کی حکمت عملی کو مسترد کر دیا ہے اور سب ملکہ مبارزین کا مقابلہ نہیں کرتے۔ وہ عدم مداخلت یا یوں کہئے کہ غیر جانبداری کی حکمت عملی پر کار فرما ہیں۔

"ضابطے کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ عدم مداخلت کی حکمت عملی کا مطلب یہ ہے کہ:-

ہر ملک اپنے تحفظ کا انتظام جیسے وہ چاہے اور جیسے وہ بہترین کر سکے خود ہی کرلے اور اپنے آپ کو مبارزین سے بچائے، یہ

یہ کام ہمارا نہیں ہے۔ ہم تو مبارزین کے ساتھ بھی اور ان کے مظلوموں کے ساتھ بھی تجارت کریں گے۔ لیکن دراصل عدم مداخلت کی حکمت عملی کے معنی یہ ہیں کہ جارحانہ اقدام پر چشم پوشی کی جائے جنگ کی باگ ڈور کھلی چھوڑ دی جائے۔ اور نتیجہ یہ ہو کہ جنگ عالمگیر جنگ کی صورت اختیار کر لے۔ عدم مداخلت کی حکمت عملی کی تہ میں یہ اشتیاق یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ مبارزین کے کارِبد میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے مثلاً جاپان کو چین کے ساتھ جنگ میں الجھنے یا اس سے بھی بہتر یہ کہ سوویت روس سے جنگ میں الجھنے سے نہ روکا جائے۔ تمام محارب حکومتوں کو جنگ کی دلدل میں خوب گہرا دھنسنے دیا جائے بلکہ چوری چوری ان کو ایسا کرنے پر اکسایا جائے۔ انہیں ایک دوسرے کو کمزور اور بیدم کرنے دیا جائے۔ اور پھر جب وہ سب کافی کمزور ہو چکیں تو تازہ دم طاقت کے ساتھ سامنے آیا جائے اور قیام امن کے نام پر پژمردہ متخاصمین سے شرطیں منوائی جائیں۔

"کیا سستا اور آسان سودا ہے!

"مثال کے طور پر جاپان کو لیجئے۔ شمالی چین پر جاپان کے حملہ کرنے سے پہلے فرانس اور برطانیہ کے ذی اثر اخبارات کا یہ خاص انداز تھا کہ انھوں نے چین کی کمزوری اور مقابلے کے ناقابل ہونیکا ڈھول

پھیلانا شروع کیا اور اعلان کرتے رہے کہ جاپان تو دو تین مہینوں میں چین کو مسخر کر لیگا۔ پھر یورپ اور امریکہ کے سیاستداں غور و انتظار فرمانے لگے۔ اور آخرکار جب جاپان نے فوجی کارروائی شروع کر دی تو انہوں نے اُسے شنگھائی پر قبضہ کرنے دیا جو چین میں غیر ملکی سرمایہ کا مرکز زندگی ہے۔ پھر انہوں نے اسے کینٹن پر قبضہ کرنے دیا جہاں جنوبی چین میں برطانوی اثر کا اجارہ ہے پھر انہوں نے اسے ہینن کے جزیرے پر قبضہ جمانے اور ہانگ کانگ پر گھیرا ڈالنے دیا۔ کیا یہ رویہ حملہ آور کی حوصلہ افزائی کا مترادف نظر نہیں آتا؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ گویا کہہ رہے تھے کہ اپنے آپ کو جنگ میں اور پھنسا لو۔ پھر ہم سمجھ لیں گے۔

مثلاً جرمنی کو لیجئے۔ انہوں نے اُسے آسٹریا پر قبضہ کرنے دیا حالانکہ انہوں نے آسٹریا کی آزادی برقرار رکھنے کی ذمہ داری لی ہوئی تھی، انہوں نے سیوڈیٹن لینڈ کے علاقے پر قبضہ جمانے دیا اور اس طرح اپنے سب معاہدوں کی خلاف ورزی کی اور پھر انہوں نے اخبارات میں بلند آواز سے جھوٹا شور مچانا شروع کیا کہ روس کی فوج کمزور ہے۔ روس کی ہوائی طاقت حوصلہ ہار چکی ہے۔ اور سوویٹ روس میں فسادات نمودار ہو رہے ہیں، اس طرح انہوں نے جرمنوں کو مشرق کی طرف اندر آگے بڑھنے کی ترغیب دی۔ انہیں آسان شکار کی امید دلائی۔ اور انہیں اکسایا کہ: تم بالشویکوں

پرنوآبادکردو پھر سب کام ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ مبارز حکومت کو اکساہٹ اور ترغیب کے مترادف نظر آتا ہے۔"

پھر سٹالین نے یوکرین کی مثال دیکر بتایا کہ کس طرح برطانوی فرانسیسی اور امریکی اخبارات نے یکلخت شور مچانا شروع کیا کہ جرمن یوکرین پر حملہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے چھوٹے یوکرین پر قبضہ کرلیا ہے اور اب وہ تین کروڑ کی آبادی کے بڑے یوکرین پر ہاتھ صاف کریں گے۔ سٹالین نے کہا کہ اگر جرمنی میں کوئی ایسے پاگل ہیں جو اس قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔ تو ہم اُن کا خوب انتظام کر سکتے ہیں۔ لیکن ہوشمند لوگ کبھی بھی ایسا خیال اپنے دل میں نہیں لا سکتے، اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے سٹالین نے کہا "اس سے بھی بڑھکر امتیازی حقیقت یہ ہے کہ بعض یورپین اور امریکن سیاستدانوں نے اور اخبار نویسوں نے سوویٹ یوکرین۔ پر جرمنی حملہ کا انتظار کرتے کرتے تھک کر اس راز کو آشکارا کرنا شروع کر دیا۔ جو عدم مداخلت کی حکمت عملی کی تہ میں کام کر رہا تھا۔ وہ بالکل صاف صاف کہہ رہے ہیں بلکہ تحریر میں لا رہے کہ جرمنوں نے ہمیں سخت مایوس کیا ہے۔ کیونکہ مشرق کی طرف روس کے خلاف آگے بڑھنے کی بجائے انہوں نے اپنا منہ موڑ لیا ہے۔ اور مغرب کا رُخ کرکے اپنی نوآبادیاں واپس مانگنے لگ گئے ہیں۔ انسان یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہے

کہ چیکوسلوواکیہ کا علاقہ جرمنی کو سوویٹ روس پر حملہ کرنے کے عہد کا معاوضہ دیا گیا تھا۔ مگر اب جرمنوں نے اپنے قول و قرار کو جہنم میں جھونک دیا ہے"۔

سیاست عالم پر یہ تبصرہ کرنے اور اس کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کرنے کے بعد سٹالین نے کہا:۔

"میں ہرگز یہ جسارت نہ کروں گا کہ عدم مداخلت کی حکمت عملی کے سلسلے میں اخلاقیات پر وعظ کہنے لگ جاؤں اور سرکشی۔ غداری وغیرہ کی باتیں سناؤں۔ ان لوگوں کو اخلاقیات کا درس دینا سادہ لوحی ہے۔ جو اخلاق انسانی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ جیسا کہ سرمایہ پرست مدبر۔ پرانے اور گھاگ سرمایہ پرست مدبر کہا کرتے ہیں۔ سیاست سیاست ہے۔ مگر اتنا کہہ دینا ضروری ہے۔ کہ عدم مداخلت کی حکمت عملی کی تائید کرنے والوں نے جو عظیم الشان اور پرخطر کھیل کھیلنا شروع کیا ہے۔ شاید وہ اُن کی اپنی ہی غیر معمولی ابتری کا باعث بن جائے"۔

"عدم مداخلت کی حالیہ حکمت عملی کے یہ درست خد و خال ہیں سرمایہ دار ممالک کی سیاسی حالت یہ ہے۔

"جنگ نے مختلف ممالک کے باہمی تعلقات میں نئی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اس نے اُن کو خطرے اور استعجاب میں ڈال دیا ہے۔

زمانۂ بعد جنگ کے نظام صلح کو شکست اور بین الاقوامی قانون کے ابتدائی اصولوں کو پامال کرکے انہوں نے بین الاقوامی عہد ناموں اور ذمہ داریوں کو مشکوک بنا دیا ہے۔ امن جوئی اور تخفیف اسلحہ کی تجویزیں مردہ اور مدفون ہو چکی ہیں ان کی بجائے اب تیز رفتاری سے اسلحہ سازی ہو رہی ہے۔ ہر کوئی مسلح ہو رہا ہے چھوٹی ریاستیں بھی اور بڑی بھی۔ بالخصوص وہ بھی جو عدم مداخلت پر کاربند ہیں کوئی بھی اب ان طمع دار تقریروں پر اعتبار نہیں رکھتا جن میں کہا جاتا تھا کہ میونخ (MUNICH) میں جارحین کو جو رعائتیں دی گئی ہیں انہوں نے سیر چشمی APPASEMENT کا نیا دور جاری کر دیا ہے۔ میونخ کا عہد نامہ کرنے والے برطانیہ اور فرانس خود بھی ان کے قائل نہیں رہے کیونکہ وہ بھی اپنے ہتھیار دوسروں سے کم تیز نہیں کر رہے ہیں"

یہ باتیں کہنے کے بعد سٹالین نے روس کی حکمت عملی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:۔

قدرتاً سوویٹ روس ان مہیب واقعات کو نظر انداز نہ کر سکتا تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگ خواہ کتنی ہی چھوٹی ہو اور دنیا کے کسی دور دراز گوشے میں جارحین نے جاری کر رکھی ہو وہ امن پسند ملکوں کے لئے خطرہ کا باعث ہے۔ اس لئے نئی استعماری جنگ سے جس نے ابھی سے

پچاس کروڑ انسانوں کو یورپ ایشیا اور افریقہ میں اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے بیحد خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر ہمارا ملک جو قیام امن کی حکمت عملی پر شدت سے کاربند ہے اس دور میں ہماری سرخ فوج اور ہمارے سرخ بیڑے کی تیاری کو بڑھانے کی بہت کچھ کوشش کر رہا ہے

"لیکن اسی اثنا میں سوویٹ روس نے بین الاقوامی حالات کو مفید بنانے کے لئے کچھ اور قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ سنہ ۱۹۳۳ء کے آخر میں ہمارے ملک نے مجلس اقوام میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ خیال یہ تھا کہ گو مجلس اقوام کمزور ہے پھر بھی وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں سے مبارزین کی چیرہ دستیوں کا پردہ چاک کیا جا سکتا ہے اور وہ ایک ایسا امن پرور ادارہ ہے جو اپنی بے انتہا لاغری کے باوجود شاید جنگ کو روکنے میں کامیاب ہو سکے۔ سوویٹ روس کا خیال ہے کہ موجودہ خطرناک زمانے میں مجلس اقوام جیسے کمزور نظام کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں فرانس اور روس کے درمیان مبارزین کے حملہ کو روکنے کے لئے باہمی امداد کا معاہدہ ہوا۔ ایسا ہی ایک معاہدہ چیکوسلوواکیہ کے ساتھ بھی کیا گیا۔ مارچ سنہ ۱۹۳۶ء میں روس نے منگولیا کی جمہوریت سے بھی باہمی امداد کا معاہدہ کیا۔ اگست سنہ ۱۹۳۷ء میں روس نے چین کی جمہوریت سے بھی عدم مبارزت کا معاہدہ کیا۔ ایسے مشکل بین الاقوامی حالات میں

سوویٹ یونین نے اپنی قیام امن کی خارجی حکمت عملی کو نباہا"

اس کے بعد سٹالین نے سوویٹ یونین کی صاف اور واضح حکمت عملی کو ان لفظوں میں بیان کیا۔

(۱) ہم امن اور دوسرے ملکوں کے ساتھ کاروباری تعلقات کو مضبوط بنانے کے حامی ہیں۔ یہ ہماری پوزیشن ہے اور ہم اس پوزیشن پر اس وقت تک قائم رہیں گے جب تک اور ملک ایسے ہی تعلقات ہمارے ساتھ رکھنا چاہیں اور ہمارے ملک کے مفاد کو پامال کرنے کی کوشش نہ کریں۔

(۲) ہم ان سب ہمسایہ ملکوں کے ساتھ جو سوویٹ روس کی سرحد سے ملحق ہیں امن پسندانہ گہرے اور دوستانہ تعلقات رکھنے کے حامی ہیں۔ یہ ہماری پوزیشن ہے اور ہم اس پوزیشن پر اس وقت تک قائم ہیں جب تک یہ ملک سوویٹ روس کے ساتھ ایسے ہی تعلقات رکھنا چاہیں اور جب تک وہ سوویٹ روس کی سرحدوں اور اس کی آزادی پر حملہ کرنے کی کوئی بالواسطہ یا بلا واسطہ کوشش نہ کریں

(۳) ہم ان قوموں کی امداد کرنے کے حامی ہیں جو جارحانہ اقدامات کا شکار ہوں اور اپنے ملک کی آزادی کی خاطر جنگ کرنا چاہیں۔

(۴) ہم جارحین کی دھمکیوں سے خائف نہیں ہیں۔ اور سوویٹ

حدود پر حملہ کرنے کی انگیخت کرنے والوں کے ہر وار کے مقابلے میں دو وار کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔

یہ ہے سوویٹ روس کی خارجہ حکمت عملی (بلند اور مسلسل قہقہے)

سٹالین نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس خارجی حکمت عملی کی تائید میں سوویٹ یونین کو مذکورہ ذیل چیزوں پر بھروسہ ہے۔

(۱) اپنی ترقی کرتی ہوئی اقتصادی۔ سیاسی اور معاشرتی قوت۔

(۲) ہماری سوویٹ کی مجلسی زندگی کا اخلاقی اور سیاسی اتحاد۔

(۳) ہمارے ملک کی مختلف قوموں کی باہمی دوستی۔

(۴) سرخ فوج اور سرخ جنگی بیڑا

(۵) ہماری قیام امن کی حکمت عملی۔

(۶) تمام ملکوں کے مزدوروں کی، جو قیام امن کے دل سے خواہشمند ہیں، اخلاقی امداد۔

(۷) ان ملکوں کی طبع سلیم جو کسی نہ کسی سبب سے امن شکنی کے حق میں نہیں۔

پھر سٹالین نے بتایا کہ خارجی حکمت عملی کے دائرے میں پارٹی نے جو کام کرنے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) قیام امن اور دوسرے ملکوں سے کاروباری تعلقات کو مضبوط

بنانے کی حکمت عملی کو جاری رکھنا۔

(۲) خبردار رہنا اور اپنے ملک کو ان جنگ کے شوقینوں کی ریشہ دوانیوں سے بچانا جو دوسروں کے کندھوں پہ بندوق رکھکر اپنا مطلب نکال لینے کے عادی ہیں۔

(۳) سُرخ فوج اور سُرخ جنگی بیڑے کی قوت کو مضبوط کرنا

(۴) تمام ملکوں کے اُن مزدوروں کے ساتھ بین الاقوامی اخوت کے سلسلے کو مضبوط کرنا جو قوموں کے درمیان امن اور دوستی کے خواہاں ہیں۔

اس طرح ۱۰ مارچ ۱۹۳۹ء کو سوویٹ روس کی حکمت عملی کو سٹالین نے کھول کر بیان کر دیا۔ لندن، پیرس، برلن، روما، ٹوکیو اور واشنگٹن کے وزارتی حلقوں کو روس کی پوزیشن کا بخوبی علم ہو گیا۔ روس محوری طاقتوں کے جارحانہ اقدامات کو پسند نہ کرتا تھا۔ وہ مظلوم قوموں کی امداد کا حامی تھا اور چین کو جاپان کے خلاف بہت کچھ امداد دیتا آ رہا تھا۔ وہ سپین میں جمہوری حکومت کو جس قدر امداد دے سکتا تھا دے چکا تھا۔ مگر وہ جنگ میں کودنے کو اس وقت تک تیار نہ تھا جب تک کم از کم برطانیہ اور فرانس بھی جنگ میں شامل ہونے کو تیار نہ ہوں۔ اس کو یہ خیال تھا کہ یہ جمہوری سلطنتیں اس کو محوری طاقتوں سے الجھا کر خود فائدہ اٹھائیں گی

خواہاں ہیں اس لئے وہ سختی سے اس پالیسی پر کاربند تھا کہ دوسروں کے فائدے کے لئے جنگ نہ کرے اور ان کا احمق آلۂ کار نہ بنے۔

جرمنی نے روس کی اس پوزیشن کو خوب سمجھا ہوا تھا اور اب اسے اور بھی یقین ہو گیا کہ روس تن تنہا کوئی اکارروائی نہ کرے گا۔ چنانچہ ہٹلر نے چیکوسلواکیہ کو بالکل ہڑپ کر جانے کا ارادہ کیا۔ نازی پارٹی کے شدید مخالف سیاستدان ڈاکٹر بینیس BENES کی طرح میونخ کے فیصلہ کی رو سے ہی ملک بدر ہو چکے تھے۔ برطانیہ اور فرانس اس ملک کو جرمنی کے قدموں میں ڈال چکے تھے۔ جرمنی کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ آخر حاخا نے جو میونخ کے بعد چیکوسلواکیہ کی حکومت کے کرتا دھرتا تھے اپنے ملک کو جرمنی کی حفاظت میں دینے کا فیصلہ کیا۔ ۱۵ مارچ کو جرمن پولس اور ریگیار فوجیں چیکوسلواکیہ کے مختلف علاقوں پر پہنچیں۔ اور سارے ملک پر پرامن قبضہ ہو گیا۔ ہٹلر بغیر ایک گولی چلائے بغیر ایک سلطنت کو اپنے دامن میں چھپا بیٹھا۔ کچھ علاقہ پولینڈ اور ہنگری کو بھی دیا گیا۔

برطانیہ اور فرانس ابھی تک جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ گو وہ گذشتہ ایک دو برسوں میں خوب ہتھیار بنا رہے تھے اور جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ مزید برآں ہٹلر نے چیک حکومت کی رضامندی حاصل

کر کے اس کو اپنا شریک کار بنا لیا تھا، اس لئے برطانیہ اور فرانس کا چیکوسلوواکیہ کی خاطر جنگ کرنا مدعی سست اور گواہ چست کا مصداق ہوتا۔ پس میونخ کا عہد نامہ کرنے والے زخمی سانپ کی طرح بل کھا کر ہی رہ گئے

مگر انگلستان اور فرانس کی رائے عامہ کو سخت صدمہ ہوا اور دونوں ملکوں میں روس سے اتحاد عمل کی رَو ہر طرف پھیلنے لگی۔ پیہم مطالبہ ہونے لگا کہ روس سے فوجی امداد کا باہمی معاہدہ کرنا ضروری ہے ورنہ جمہوریت کی طاقتیں ڈکٹیٹروں سے عہدہ برآ نہ ہو سکیں گی۔

۱۶ مارچ کو دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر نیول چیمبرلین نے چیکوسلوواکیہ پر جرمن قبضہ کا حال سنایا لیکن ہٹلر پر بدعہدی کا الزام لگانے سے احتراز کیا۔ اس طرز عمل سے جمہوری ملکوں میں اور بدگمانیاں ہونے لگیں۔ اور کڑی نکتہ چینی ہوئی ۱۷ مارچ کو برمنگھم میں تقریر کرتے ہوئے چیمبرلین نے اپنے رویے کو بدلا اور جرمنی کی کارروائی کی سخت مذمت کی۔

اسی زمانے میں ڈسلڈارف میں برطانیہ کی صنعتی فیڈریشن نامی کمپنی سے جرمنی صنعتی کمپنی کا تجارتی معاہدہ بھی ہو رہا تھا۔ لندن کے ساہوکار جرمنی سے بگاڑ کے خواہاں نہ تھے۔ مسٹر چیمبرلین لندن کے ساہوکاروں اور بیوپاریوں کو تجارتی مراعات دے کر اپنی سیاسی حکمت عملی کو کامیاب بنا رہا تھا۔

چیکوسلوواکیہ پر قبضہ کرنے سے ہٹلر رومانیہ کے سر پر جا پہنچا۔ اس

کو آئندہ جنگ کے لئے رومانیہ کے تیل اور زراعتی پیداوار کی سخت ضرورت تھی اور ہر کوئی جانتا تھا کہ جرمنی رومانیہ کو اپنے ساتھ یا اپنے قبضے میں لینے کی انتہائی کوشش کرے گا۔ حکومت برطانیہ کو اب رومانیہ کی فکر لاحق ہوئی۔

۱۸ مارچ کو ماسکو کے برطانوی سفیر کو ہدایت کی گئی کہ وہ روسی حکومت سے رومانیہ کے بارے میں اس کے رویہ کا پتہ کرے۔ روسی حکومت نے تجویز کیا کہ مزید جارحانہ اقدام کا سدباب کرنے کے لئے برطانیہ فرانس، روس، پولینڈ، رومانیہ اور ترکی کی کانفرنس بلائی جائے۔

اگر مجوزہ کانفرنس بلائی جاتی تو شاید دنیا کی سیاست کوئی نیا پلٹا کھاتی مگر برطانوی حکومت نے روسی تجویز کے جواب میں کہا کہ یہ ابھی قبل از وقت ہے۔ یہ مسٹر چیمبرلین یا ان کے رازدار ہی جان سکتے تھے کہ ان کے ذہن میں ایسی تجویز کب بروقت کہلانے کی مستحق ہوگی بہرحال مسٹر چیمبرلین نے دریافت کرا بھیجا کہ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ برطانیہ فرانس پولینڈ اور روس ملکر مزید جارحانہ اقدام کے خلاف اعلان کریں اور ایسے اقدام کی صورت میں باہم فوری مشورے کی پابندی اپنے ذمے لیں

روسی حکومت نے لکھا کہ یہ ہماری تجویز سے بہتر متبادل تجویز تو نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی ہم اس تجویز سے اتفاق کرتے ہیں۔ اور بہتر یہ

ہو گا کہ زیادہ سے زیادہ وزن اور اہمیت دینے کے لئے اس اعلان پر چاروں ملکوں کے بڑے وزیروں اور امور خارجہ کے وزیروں کے دستخط ثبت ہوں

پولینڈ کی کجروی

پولینڈ کی حکومت نے سختی سے کہا کہ ہم کسی ایسے معاہدے پر دستخط کرنے کو تیار نہیں جس پر روس کے دستخط ہوں۔ اس طرح یہ تجویز عملی جامہ نہ پہن سکی۔ برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں نے پولینڈ پر کوئی ایسا دباؤ نہ ڈالا جیسا کہ چیک حکومت پر ۱۹۳۸ء میں میونخ کے فیصلے کو منوانے کے لئے ڈالا گیا تھا۔ نہ ہی برطانوی حکومت نے وسط اپریل تک پھر روسی حکومت سے کوئی مشورہ کیا۔

میمل پر جرمن قبضہ

روس اور مغربی جمہوریتیں اس طرح بھول بھلیاں کا کھیل کھیل رہی تھیں کہ جرمنی نے ۲۲ مارچ کو میمل کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ بندرگاہ بحیرہ بالٹک کے کنارے جرمنی کے مشرقی سرے پر واقع ہے۔ جنگ عظیم کے بعد اس کو لیتھونیا کی حکومت کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ہٹلر نے لتھونیا کی حکومت سے نامہ و پیام کرکے رضامندی سے اس بندرگاہ کو بھی جرمنی کے لیے

واپس لے لیا۔

۲۳ مارچ کی برطانوی سیاست

۲۳ مارچ کو دارالعوام میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر چیمبرلین نے کہا کہ ہم یورپ میں مختلف ملکوں کے ایسے مدمقابل جتھے بنانے کے لئے آمادہ نہیں جو اندرونی انتظام حکومت کی بنا پر قائم ہوں۔ ایسے ہی خیالات کا اظہار ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کو بھی کر چکے تھے مگر ۲۲ مارچ کے بعد جب میمل بھی جرمنی کے قبضے میں جا چکا تو ڈانزگ اور پولینڈ کی طرف سے تشویش ہونے لگی۔

پولینڈ کو گارنٹی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پولینڈ جرمنی سے سودا کر کے کچھ علاقہ حاصل کر لینے کے باوجود جرمنی کے مطالبات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو آمادہ نہ تھا۔ وہ برطانیہ اور فرانس سے مل کر جرمنی سے جنگ کرنے میں کامیابی سمجھتا تھا۔ مسٹر چیمبرلین نہ خود روس کو ساتھ لینے کے خواہاں تھے اور نہ پولینڈ ہی روس سے کوئی سروکار رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے مسٹر چیمبرلین نے ۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء کو پولینڈ کو اس کی حدود اور حقوق کی گارنٹی دے دی تھی۔ یعنی یہ فیصلہ ہو گیا کہ اگر جرمنی نے ڈانزگ پر یا پولینڈ کے کسی علاقے پر دست درازی کی تو برطانیہ جنگ میں ضرور کود پڑے گا۔ اور برطانیہ کے ساتھ فرانس

بھی جنگ میں آئے گا۔ کیونکہ فرانس تو شروع سے ہی برطانیہ کا منتظر تھا کہ وہ کب اُلجھنے کو آمادہ ہوتا ہے۔

اس طرح ۳۱ مارچ کو پولینڈ کو گارنٹی دینا مسٹر چیمبرلین کے لئے بروقت تھا۔ مگر ۱۸ مارچ کو روس کا یہ کہنا کہ فرانس برطانیہ پولینڈ روس رومانیہ اور ترکی سب مل کر ایک دوسرے کی حفاظت اور امداد کی ذمہ واری لیں قبل از وقت تھا۔

برطانوی سیاستدانوں کا سرمایہ پرست طبقہ اس وقت بھی جرمنی سے صلح و آشتی کا خواہاں تھا مگر روس سے دست تعاون ملانا نہ چاہتا تھا۔

البانیہ پر اطالوی قبضہ

حالات سرعت سے تبدیل ہو رہے تھے ۷ اپریل کو مسولینی نے البانیہ میں فوجیں اتاریں اور سارے ملک پر قبضہ کر لیا۔ شاہ زوغو جو اطالوی اثر کے دخیل ہونیکا خود ہی ذمہ وار تھا ملک سے فرار ہو گیا۔ البانیہ گولی چلائے بغیر اطالیہ کے قبضے میں گیا۔ فسطائیت کی تازہ فتح کا ہر طرف چرچا ہوا۔

برطانوی سیاست کا اضطراب

اب برطانوی سیاست اور مضطرب ہوئی۔ ایک کے بعد دوسری سلطنت بلا مزاحمت ڈکٹیٹروں کے سامنے ہتھیار ڈالنے لگی۔ یونان اور رومانیہ کی حکومتیں ابھی تک ڈکٹیٹروں کے اثر کا شکار نہ ہوئی

تھیں۔ اس لئے ۱۳ اپریل ۱۹۳۹ء کو مسٹر چیمبرلین نے انھیں بھی حفاظت کی گارنٹی دے دی۔ مگر نہ پولینڈ کو گارنٹی دیتے وقت اور نہ ان ملکوں کو گارنٹی دیتے وقت روس سے مشورہ کیا۔ اس طرح روس کے شکوک و شبہات کو اور تقویت حاصل ہوئی۔ مگر روس ابھی تک اپنی قسمت ڈکٹیٹروں سے وابستہ کرنا نہ چاہتا تھا۔

پھر روسی برطانوی گفت و شنید

۱۵ اپریل کو مسٹر چیمبرلین نے اپنے ماسکو کے سفیر سے کہا کہ وہ روسی حکومت سے دریافت کرے کہ کیا وہ پولینڈ اور رومانیہ کو یکطرفہ گارنٹی دینے کو تیار ہے۔ ماسکو نے ۱۷ اپریل کو جواب دیا کہ برطانیہ فرانس اور روس تینوں کا باہم معاہدہ ہونا چاہیئے کہ وہ نہ صرف ان دونوں ملکوں میں جارحانہ اقدام کا مقابلہ کریں گے بلکہ جہاں کہیں ایسا اقدام ہوگا وہ اس کا مقابلہ کرینگے۔ روسی نقطہ نگاہ یہ تھا۔ کہ چند حکومتوں کو گارنٹی دینے کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ باقی ملکوں پہ حملے کی دعوت دی جائے کیوں کہ ان کی خاطر کوئی لڑنیکو تیار نہ ہوگا۔ روسی حکومت نے لکھا کہ اگر برطانیہ فی الحقیقت جارحانہ اقدامات کو روکنے کا خواہشمند ہے۔ تو تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اول یہ کہ برطانیہ فرانس اور روس باہمی امداد کا عہد کریں دوم یہ کہ تینوں کے درمیان فوجی رابطہ ہو۔ سوم یہ کہ بحیرۂ بالٹک سے لیکر

بحیرہ اسود تک تمام سرحدی ریاستوں کی حفاظت کی ذمہ داری لی جائے برطانوی حکومت تو تین ہفتہ تک اس یادداشت کا جواب دینے سے قاصر رہی اور واقعات اپنا رخ اختیار کرتے گئے۔ ۱۸ اپریل کو ٹائمز اخبار میں جو سرکاری اخبار سمجھا جاتا ہے پھر ہٹلر کو خوش کرنے کی حکمت عملی کی تائید کی گئی۔ اور ۲۴ اپریل کو برطانوی سفیر برلن چلا گیا حالانکہ اس کو ناراضی سے واپس بلایا گیا تھا۔

جرمن ردعمل

برطانیہ نے پولینڈ، رومانیہ اور یونان کو حفاظتی گارنٹی دے دی تھی اس لیے جرمنی اب سمجھ چکا تھا کہ برطانیہ سے جنگ ناگزیر ہے۔ ورنہ اسے اپنی باقی سب سکیموں کو ترک کرنا پڑے گا۔ اس نے برطانیہ کی ۳۱ مارچ اور ۱۳ اپریل کی کارروائی کو اپنے لئے وجہ شکایت بنایا اور ۲۶ اپریل کو برطانوی جرمن بحری معاہدے اور جرمن پولش عدم مبازرت کے میثاق کی تنسیخ کا اعلان کر دیا۔ اور اس طرح پولینڈ اور برطانیہ سے اس کی کشمکش زیادہ تیز اور تلخ ہو گئی۔ جرمنی پولینڈ کے اس رویہ کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ کہ وہ برطانیہ سے اس قدر گہرے تعلقات پیدا کر کے اس کے خلاف محاذ بنالے۔ ۳ مئی کو لندن ٹائمز میں پھر ایک مضمون شائع ہوا جس میں جرمنی کو مزید علاقے دیکر رضامند کرنے کی تلقین کی گئی۔ ۶ مئی کو

دارالعوام میں مسٹر چیمبرلین نے سٹالین کے ساتھ خود ملاقات کرنیکے مشورے کو ناپسندیدہ لہجے میں مسترد کر دیا۔

روس سے پھر برطانیہ کی گفتگو

۹ مئی کو برطانیہ کی طرف سے روس کی ۱۷ اپریل کی تجویزوں کا جواب دیا گیا۔ مگر اس میں پھر اپنی پندرہ ۱۵ اپریل والی تجویزوں کو لفظی ہیر پھیر سے دہرایا گیا۔ تین طاقتوں کے میثاق کو نظرانداز کر دیا گیا۔۔ اور پھر روس سے پولینڈ اور رومانیہ کی یک طرفہ گارنٹی ایسے قرینے سے طلب کی گئی کہ برطانیہ ہی اس بات کا فیصلہ کرے کہ روس کب جنگ میں کود ے گا لیکن یہ ظاہر نہ کیا گیا کہ ایسے حالات پیدا ہونے پر روس کو فرانس اور برطانیہ سے کس مدد کی توقع ہو گی۔

روس ایسی یک طرفہ ذمہ داریاں لے کر جنگ میں الجھنے کو تیار نہ تھا اس لئے اس نے ۱۴ مئی کو جوابدیا کہ جارحانہ اقدامات کو روکنے میں کامیابی اسی وقت ہوسکتی ہے جب روس کی پیش کردہ تینوں شرائط پر عمل کیا جائے

لائڈ جارج اور چیمبرلین میں جھڑپ

۱۹ مئی کو دارالعوام میں روس کے ساتھ گہرے تعاون کے مسئلے پر تقریر کے دوران میں مسٹر چیمبرلین نے اپنی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے کہدیا کہ ہمیں فقط روسی حکومت سے ہی معاملہ نہیں کرنا ہے ہمیں

اور حکومتوں کا بھی خیال رکھنا ہے۔

دارالعوام کے ایک رکن نے آواز دی "اطالیہ، یعنی کیا وہ حکومت جس کا خیال رکھنا ہے اطالیہ ہے؟" مسٹر چیمبرلین نے کہا کہ میں اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ مسٹر لائڈ جارج نے کہا کہ یہ بہت ضروری ہے کہ ہمیں علم ہو کہ ہمارے راستے میں حائل کون ہے۔ چیمبرلین نے جواب دیا کہ شاید یہ مسٹر لائڈ جارج کے لئے بہت ضروری ہو۔ لائڈ جارج نے جھلا کر کہا ایسی بات بیہودہ ہے۔ یہ تو سارے ملک کے لئے بہت ضروری ہے

مسٹر چیمبرلین نے اور کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا لیکن عام خیال یہ ہوا کہ اطالیہ یا کوئی اور سلطنت روس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے راستے میں حائل ہے، غالباً مسولینی ہی اب پھر برطانیہ سے نئی گفتگو کر رہا ہو گا تاکہ ہٹلر کی سکیموں کی تائید کرتا ہوا روس اور برطانیہ کو یکجہتی سے باز رکھے۔ یا شائد ابھی تک جرمنی سے بنا سکنے کی اُمید ہو۔ مگر یہ اُمید بیکار تھی کیونکہ اگر برطانیہ نہ جرمنی کو نوآبادیاں واپس دے اور نہ اسے پولینڈ سے ہی متنازعہ علاقے واپس لینے دے تو پھر صلح کی کب تک گنجایش ہو سکتی تھی۔ البتہ پہلی جنگ عظیم کی طرح اطالیہ کو جرمنی سے پرے ہٹا لینے کی گنجایش ضرور مدنظر ہو سکتی تھی۔

تین طاقتوں کے معاہدے کی گفتگو۔ بالآخر ۲۷ رمئی

سنہ ۱۹۳۹ء کو وہ وقت آیا جب برطانیہ اور فرانس نے اپنے ماسکو کے سفیروں کو ہدایات دیں کہ وہ روس کے ساتھ تینوں حکومتوں کے معاہدے کے متعلق گفت و شنید کریں۔ مگر شرط یہ قرار دی کہ معاہدے پر عمل درآمد مجلس اقوام کے ذریعے ہوگا۔ اور فقط پولینڈ اور رومانیہ کی حفاظت کے لئے ہوگا۔ بالٹک کی ریاستیں اس میں شامل نہ ہوں گی یہی آخری چیز تھی جو روسیوں کی نگاہ میں کھٹکتی تھی ۳۱ مئی سنہ ۱۹۳۹ء کو سوویٹ کی مجلس اعلیٰ میں تقریر کرتے ہوئے موسیو مولوٹوف نے کہا:۔

"یورپ کی عدم مداخلت کی حکمت عملی پر کاربند ہونے والی ریاستوں میں جارحانہ اقدامات کا مقابلہ کرنے کے بارے میں نئی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ یہ تبدیلیاں کس قدر اہم ہوں گی۔ ابھی کہا نہیں جا سکتا۔ ابھی تک تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ملک فی الحقیقت عدم مداخلت کی پالیسی کو چھوڑنے اور مزید جارحانہ اقدامات کو روکنے کے خواہش مند ہیں بھی یا نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی بعض علاقوں (یعنی پولینڈ اور رومانیہ) میں جارحانہ اقدامات روکنے کی کوشش دوسرے علاقوں (یعنی استھونیا لیٹویا لتھونیا وغیرہ) میں جارحانہ اقدام کو فروغ دینے میں کوئی رکاوٹ ثابت نہ ہو..... ان حالات میں ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے۔ ہم امن کے حامی ہیں اور مزید جارحانہ اقدامات کو روکنے کے خواہاں ہیں۔ لیکن ہمیں کامریڈ سٹالن

کا یہ ارشاد فراموش نہ کرنا چاہئے کہ ہمیں خبردار رہنا چاہئے۔ اور اپنے ملک کو ان جنگ کے شوقینوں کی ریشہ دوانیوں سے بچانا چاہئے جو دوسروں کے کندھوں پر رکھکر بندوق چلانے کے عادی ہو چکے ہیں، اسی طرح ہم آخر وقت تک اپنے ملک اور عالمگیر امن کے مفاد کی حفاظت کرسکیں گے"

برطانوی اور فرانسیسی حکومتوں کے ساتھ اپنی گفت وشنید کے بارے میں مولوٹوف نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا :-

"فرانسیسی اور برطانوی حکومتوں نے جارحانہ اقدامات کے روکنے کے لئے جو تجویزیں بھیجی تھیں ان کے بارے میں سوویٹ گورنمنٹ نے ان سے بات چیت شروع کی۔ یہ سلسلہ وسط اپریل میں جاری ہوا۔ جو گفتگو اس وقت شروع ہوئی تھی وہ اب تک ختم نہیں ہوئی۔ لیکن اس وقت بھی یہ بات ظاہر تھی کہ اگر جارحانہ اقدام کی ترقی کو روکنے کیلئے مؤثر محاذ بنانا ہو تو کم ازکم مذکورہ ذیل شرائط پورا کرنا لازمی ہے، (۱) جارحانہ اقدام کے خلاف باہمی امداد کا ایک موثر عہد کیا جائے۔ جو محض دفاعی نوعیت رکھتا ہو اور اس میں برطانیہ فرانس اور روس شامل ہوں (۲) برطانیہ فرانس اور روس مل کر مشرقی اور مرکزی یورپ کی تمام سلطنتوں کو بشمول ان سلطنتوں کے جو روس کی سرحد پر ہیں ان کی حفاظت کی ضمانت دیں (۳) مبارز ملکوں کے اقدام کے خلاف ضمانت یافتہ ملکوں کو اور آپس میں ایک

دوسرے کو امداد کی نوعیت اور مقدار کے متعلق برطانیہ فرانس اور سوویٹ روس کے مابین ایک پختہ سمجھوتہ ہو جائے۔

"یہ ہماری رائے ہے جسے ہم کسی پر ٹھونستے نہیں مگر جس پر ہم قائم ہیں ہم اپنے نقطۂ نگاہ کے تسلیم کئے جانے کا مطالبہ نہیں کرتے اور نہ ہم کسی سے ایسا کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ لیکن ہم یہ خیال ضرور کرتے ہیں کہ یہ نقطۂ نگاہ امن پسند سلطنتوں کے تحفظ کا حقیقی ذریعہ ہے"

"یہ سمجھوتہ محض دفاعی نوعیت کا ہوگا۔ اور اس پر عمل اسی صورت میں ہو سکیگا جب جارحانہ اقدام کرنیوالے کسی ملک پہ حملہ کریں۔ اور یہ اس فوجی، اور جارحانہ اتحاد سے بنیادی طور پہ مختلف ہے جو حال ہی میں جرمنی اور اطالیہ کے درمیان طے پایا ہے۔

"قدرتی طور پہ ایسے سمجھوتے کی بنا لازماً باہمی اور مساوی ذمہ داری کے اصول پہ ہونی چاہئے۔

"یہ امر قابل غور ہے کہ برطانیہ اور فرانس کی بعض تجویزوں میں یہ ابتدائی اصول نظر انداز کیا گیا ہے۔ درانحالیکہ انہوں نے آپس میں اور پولینڈ کے ساتھ باہمی معاہدے کر کے مبازرین کے براہ راست حملہ کے خلاف امداد کی ایک دوسرے کو ضمانت دی ہے اور درآنحالیکہ وہ پولینڈ اور رومانیہ پہ حملہ ہونے کی صورت میں روس کی امداد چاہتے ہیں، برطانیہ

اور فرانس نے اس سوال کو کھلا چھوڑ دیا ہے کہ اگر روس پر براہ راست حملہ ہو جائے تو وہ اُن کی امداد کی اُمید کر سکے گا۔ یا نہیں اور اسی طرح انہوں نے ایک اور سوال کھلا چھوڑ دیا ہے کہ اگر ان ریاستوں پر حملہ ہو جو روس کی سرحدوں پر واقعہ ہیں اور اس کے شمال مغربی محاذ کو گھیرے ہیں تو ان کی حفاظت کی ضمانت میں بھی وہ (برطانیہ اور فرانس) حصہ لیں گے یا نہیں۔

"اس طرح روس کے لئے پوزیشن غیر مساوی تھی۔

"کچھ روز ہوئے برطانیہ اور فرانس کی نئی تجاویز ہمیں پہنچیں ان تجاویز میں برطانیہ فرانس یا روس پر براہ راست حملہ ہونے کی صورت میں باہمی امداد کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ ایک قدم بہتری کی طرف ہے اگرچہ یہاں بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تجاویز کئی شرائط سے گھیری گئی ہیں جو شاید اسے بہتری کی طرف ایک جعلی قدم بنا دیں مثلاً ان شرطوں میں مجلس اقوام کے میثاق کی بعض مدوں پر عمل کرنے کا بھی ذکر ہے، جہاں تک مرکزی اور مشرقی یورپ کے تمام ممالک کو حفاظت کی ضمانت دینے کا سوال ہے یہ تجاویز باہمی امداد کے نقطہ نگاہ کی تائید نہیں کرتیں ان میں یہ تو کہا گیا ہے کہ روس ان پانچ ضمانت یافتہ ملکوں کی امداد کرے جن کو برطانیہ اور فرانس سے ضمانت مل چکی ہے۔ لیکن روس کی

شمالی مغربی سرحد کی تین سلطنتوں کو جو مبارزین کے حملوں کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہو سکتی ہیں امداد دینے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ لیکن سوویٹ حکومت پانچ حکومتوں کے بارے میں ذمہ داری لینا گوارا نہیں کر سکتی جب تک اس کی شمالی مغربی سرحد کے تین ملکوں (یعنی اسٹھونیا۔ لیٹویا اور لیتھونیا) کو جوابی ضمانت نہ ملے۔

"برطانیہ کے ساتھ گفت وشنید کی یہ کیفیت ہے"

برطانیہ اور فرانس کے ساتھ گفت وشنید کا ذکر کرنے کے بعد مولوٹوف نے دوسرے ملکوں کے ساتھ اپنے روابط کا تذکرہ بھی کیا اور بتایا کہ:۔

"برطانیہ اور فرانس کے ساتھ عہد وپیمان کرتے وقت ہم یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ جرمنی اور اطالیہ کے ساتھ اپنے تجارتی تعلقات کو منقطع کر لیں۔ سال گزشتہ (۱۹۳۸ء) کے شروع میں جرمن حکومت کی تحریک پر تجارتی سمجھوتہ اور نئے قرضوں کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تھی۔ جرمنی نے ہم کو بیس کروڑ مارک کا نیا قرضہ دینے کا پیشکش کیا اس وقت ہم اس سمجھوتے کی شرطوں پر متفق نہ ہو سکے اس لئے معاملہ ختم کر دیا گیا۔ ۱۹۳۸ء کے آخر میں جرمن حکومت نے پھر اقتصادی گفت و شنید کی تجویز کی اور بیس کروڑ مارک قرضہ بھی پیش کیا۔ ساتھ ہی اس

نے کئی رعایات دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ ۱۹۳۹ء کے شروع میں غیر ملکی تجارت کے وزیر کو اطلاع دی گئی کہ جرمنی اس گفتگو کے لئے ہر شنور (HERR SCHNURE) کو اپنا خاص نمائندہ بنا کر اسکو ماسکو بھیج رہی ہے بعد میں یہ گفت و شنید جرمنی کے سفیر ہر شولنبرگ HERRSCHULEUBURG کے سپرد کی گئی مگر اختلاف کے باعث ختم کر دی گئی۔ کچھ ایسے آثار ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بارے میں پھر گفت و شنید کا آغاز ہونا ناممکن نہیں۔

"میں یہ بھی کہدوں کہ ۱۹۳۹ء کے لئے اطالیہ کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ ہو چکا ہے جو دونوں ملکوں کے لئے مفید ہے۔

"جیسا کہ آپکو علم ہے فروری میں پولینڈ اور روس کے تعلقات ہمسائیگی کو ترقی دینے کی تائید میں ایک اعلان ہوا تھا۔ اس ملک سے ہمارے تعلقات میں عمومی ترقی اپنی جھلک دکھا رہی ہے۔ وہ تجارتی معاہدہ جو پولینڈ اور روس کے درمیان مارچ کے مہینے میں ہو چکا ہے شاید دونوں ملکوں کے درمیان تجارت کو کافی فروغ دے"

موسیو مولوٹوف کی اس تقریر سے روس کی حکمت عملی بالکل واضح ہوتی تھی۔ اُس کی چند قابل غور باتیں یہ ہیں۔

(۱) روس کو جرمنی اطالیہ اور جاپان کی جارحانہ پیش قدمیوں اور ان کے طریق کار سے سخت اختلاف تھا۔

(۲) وہ تنہا ان سب قوتوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے جنگ کرنا درست نہ سمجھتا تھا۔

(۳) روس کی دانست میں ان جارحانہ پیش قدمیوں کی زد زیادہ تر برطانوی فرانسیسی اور امریکی مفاد پر پڑتی تھی۔

(۴) روس ان پیش قدمیوں کو روکنے کے لئے برطانیہ اور فرانس سے ملکر جنگ میں کودنےکو بھی تیار تھا۔

(۵) روس کو برطانیہ اور فرانس کے رویہ سے شبہ تھا کہ وہ اس کو تنہا جنگ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں اور متحارب ملکوں سے لڑا کر اپنا فائدہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں۔

مولوٹوف کی صاف بیانی اور روس کی مشکلات کی امریکہ اور برطانیہ میں بھی ایک فریق قدر کرتا تھا اور وہ برطانوی حکومت کی سہل انگاری اور مذبذب حکمت عملی پر کڑی نکتہ چینی کر رہا تھا۔ اور صاف صاف یہ الزام لگاتا تھا کہ برطانوی حکومت روس سے فی الحقیقت معاہدہ کرنےکو تیار ہی نہیں وہ رائے عامہ کی اشک شوئی کرنے کے لئے فقط گفت و شنید کے سلسلے کو طول دے رہی ہے اور رویہ ایسا اختیار کر رہی ہے کہ نتیجہ

کچھ نہ نکلے

۸رجون کو لارڈ ہیلی فیکس کی تقریر

۲۷ر اپریل سے روس کے ساتھ گفت و شنید کا سلسلہ جاری ہو کر طول پکڑ رہا تھا کہ ۸رجون کو لارڈ ہیلی فیکس HALIFAX نے جو لارڈ اروِن کے نام سے ہندوستان کے گورنر جنرل رہ چکے تھے۔ برطانوی دارالعوام میں ایک تقریر کی جس میں انہوں نے پھر جرمنی کو راضی کرنے کا رجحان ظاہر کیا۔ انہوں نے جرمنی کو جائے رہائش LEBENS-RAUM) مہیا کرنے کے مسئلہ پر بات چیت کے لئے کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز کی۔ انہوں نے رقیبانہ دعاوی کے تصفیہ کا ذکر بھی کیا اور قوموں کو طاقتور و دشمن جتھوں میں تقسیم کرنے کے خلاف میلان بھی ظاہر کیا۔

اس تقریر سے روس ہی تو کیا بلکہ اور ملکوں میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ برطانیہ جرمنی سے بگاڑ کرنے کو ابھی تک تیار نہیں ہے اور روس کے ساتھ جرمنی کے خلاف نبرد آزما ہونے کی جو بات چیت ہو رہی ہے وہ اپنے حصول مقصد کے لئے محض ایک دھنویں کا بادل ہے۔

خود برطانوی دارالعوام میں ۱۲رجون کو تقریر کرتے ہوئے لارڈ ڈیویس (DAVIS) نے لارڈ ہیلی فیکس کی تقریر پر ان لفظوں

ہیں تبصرہ کیا!

"روسی حکومت اچھی طرح جانتی ہے کہ اس ملک کے بعض حلقوں میں ایک خفیہ امید ہے۔ کہ جرمن عقاب مشرق کی طرف اڑیں گے اور مغرب کی طرف نہیں اڑیں گے، جیسا کہ اس وقت ارادہ تھا۔ جب ہٹلر نے اپنی کتاب میری کہانی (MEIN KAMPF) لکھی تھی۔۔۔۔ اب بھی بعض دفعہ میں حیران ہوتا ہوں کہ آیا ہماری وزارت روس کے ساتھ گفت وشنید میں خلوص سے کام لے رہی ہے یا اس نے رائے عامہ کی اشک شوئی کے لئے محض ایک ڈھونگ رچا رکھا ہے۔"

ہیلی فیکس کو ماسکو آنے کی دعوت

روس میں لارڈ ہیلی فیکس کی تقریر سے شکوک وشبہات میں اور اضافہ ہونا لازمی تھا۔ مگر اس پر بھی روسی حکومت نے لارڈ ہیلیفکس کو خود ماسکو آنے کی دعوت دی۔ مگر برطانوی حکومت اپنے وزیر خارجہ کو ماسکو بھیج کر معاملے کو جلد ہی ختم کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی اور نہ ہی غالباً وہ روس کے ساتھ اس قدر گہری دلچسپی کا اظہار کرنا مناسب سمجھتی تھی۔ اس لئے لارڈ ہیلی فیکس ماسکو نہ جا سکے۔ برطانوی حکومت نے ۱۴ جون کو مسٹر سٹرینگ (STRANG) کو ماسکو ضرور روانہ کیا تھا۔ مگر وہ کوئی سیاسی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ وہ دفتر خارجہ کے مستقل

لازم تھے۔ ان کی ذاتی رائے یہ تھی کہ روس کے ساتھ معاہدہ ہونا یا نہ ہونا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ ان کی ادنی حیثیت بھی معاملہ کو سلجھانے میں امداد نہ دے سکتی تھی بلکہ اور ناراضی کا باعث ہو سکتی تھی۔

جرمنی کی مصلحت بینی

روس اور برطانیہ کے تعلقات تو اول کھٹائی میں پڑ رہے تھے اور جرمنی ان حالات کا جائزہ لے کر برطانوی سیاست کو شکست دینے کی ٹھان رہا تھا۔ ہٹلر کو بخوبی علم تھا کہ وہ برطانیہ فرانس اور روس سے بیک وقت ٹکر نہیں لے سکتا اس لئے وہ روسی برطانوی معاہدہ کو ایک نظر پسند نہ کرتا تھا۔ وہ ۱۹۱۴ء کی غلطی کا اعادہ ہرگز نہ کرنا چاہتا تھا جب قیصر نے مشرق و مغرب میں جنگ مول لے کر جرمنی کو ساری دنیا سے منقطع کر کے قحط اور سامان جنگ کی کم یابی کے باعث شکست کا منہ دیکھا تھا وہ ۱۹۳۸ء کے شروع سے ہی روس کے ساتھ تجارتی عہدنامہ کرنے اور اسے قرض دینے کو تیار تھا۔ اس نے اپنی وہ ریشہ دوانیاں پھر شروع کیں جو ۱۹۳۸ء اور پھر ۱۹۳۹ء کے آغاز میں کامیاب نہ ہو سکی تھیں۔ اب وہ نہ صرف تجارتی بلکہ سیاسی معاہدہ بھی روس کے ساتھ طے کرنے کو زیادہ آمادہ ہوا تاکہ برطانیہ کے مقابلے میں روس کی دوستی کا ہاتھ قابو کر سکے۔

چنانچہ ٹائمز کے نامہ نگار مقیم برلن نے ایک اطلاع بھیجی جس کو ۱۷ رجون کی اشاعت میں شائع کیا گیا۔ اس اطلاع میں کہا گیا تھا۔ کہ "اگر (برطانیہ اور روس کی) باہمی گفت وشنید ناکام رہی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ جرمنی اقتصادی مصالحت اور سیاسی مفاہمت کے ذریعے روسی محاذ کو محفوظ کرنے کی کوشش کرے گا۔

ژھانڈوف کی تنقید

روسی حکومت کے ارکان برطانیہ کی لیت ولعل سے عاجز آرہے تھے۔ ان کے شکوک زیادہ قوی ہوتے جارہے تھے۔ چنانچہ ۲۹ رجون کو ژھانڈوف ZHANDOV نے جو سوویٹ پارلیمنٹ کی امور خارجہ کی کمیٹی کا صدر تھا پراودا (PRAVDA) اخبار میں ایک مضمون شائع کیا جس میں اس نے بیان کیا کہ گفت وشنید میں کوئی ترقی نہیں ہورہی ہے۔ اور اس سے مبارزین خوش ہو رہے ہیں اور ان کا حوصلہ بڑھ رہا ہے کیونکہ وہ یہ امید لگا رہے ہیں کہ کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکیگا۔ اس نے صاف الفاظ میں یہ بات بھی کہدی کہ میرے وہ رفیق جو یہ توقع رکھتے ہیں کہ برطانیہ اور فرانس فی الحقیقت جارحانہ اقدامات کے روکنے کے لئے باہمی امداد کا معاہدہ کرنا چاہتے ہیں بالکل غلطی پر ہیں۔ برطانیہ اور فرانس تو یک طرفہ معاہدہ چاہتے ہیں جس سے روس ان کی مدد کرے مگر وہ

جوابی امداد کے پابند نہ ہوں۔ اور ایسا معاہدہ کوئی خودوار ملک نہیں کر سکتا
زھاندوف نے یہ بھی لکھدیا کہ اس وقت تک گفت وشنید میں ۷۵ دن
صرف ہوئے ہیں۔ جن میں سوویٹ نے اپنی تجاویز پیش کرنے میں
فقط سولہ دن صرف کئے ہیں، اور فرانس اور برطانیہ نے ۵۹ دن خرچ کئے
ہیں۔ آخر میں اس نے نتیجہ نکالا کہ برطانیہ اور فرانس دراصل محاذ امن قائم
کرنے کے خواہاں نہیں بلکہ ان کے مقاصد کچھ اور ہی ہیں

برطانیہ اور فرانس کے سیاستدانوں نے زھاندوف کی صاف گوئی
سے بھی کوئی سبق حاصل نہ کیا۔ اور اپنے رویہ کو نہ بدلا گفتگو طویل ہوتی چلی
گئی اور چھوٹے چھوٹے مسئلے زیر بحث آتے رہے۔

جرمنی اور برطانیہ کی پھر گفت وشنید

جولائی کا مہینہ آیا اور وہ بھی گزرتا چلا گیا
اس مہینے کے تیسرے ہفتے میں یہ خبر نکل گئی کہ جرمنی کے نمائندے وولٹہاٹ
WOHALTAT اور برطانیہ کی بیرونی تجارت کے نائب وزیر مسٹر ہڈسن
میں گفت وشنید ہو رہی ہے اور ان گفتگوؤں میں جرمنی کی اقتصادی رضا
جوئی اور استحکام پر بحث ہو رہی ہے اس کو پچاس کروڑ بلکہ ایک ارب
پاونڈ قرضہ دینے کی بھی تجویز ہے۔ اس راز کے کھل جانے سے بعض
حلقوں میں پریشانی ہوئی جس سے مسٹر چیمبرلین بھی بچ نہ سکے۔

لائڈ جارج کا واویلا

اس وقت برطانیہ میں رائے عامہ بہت مضطرب تھی عام لوگ روس کے ساتھ فوری سمجھوتے کے لئے بیتاب تھے اور حکومت کی سہل انگاری ان کو چراغ پا کر رہی تھی ۲۹ جولائی کو مسٹر لائڈ جارج نے ایک ضمنی انتخاب کے سلسلے میں تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ برطانوی حکومت نے پولینڈ کو حفاظت کی جو ضمانت دی ہے وہ روس کی امداد کے بغیر بالکل بے معنی ہے کیونکہ برطانیہ پولینڈ کی کوئی براہ راست مدد نہیں کر سکتا۔ روس ہی اس کی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔

اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے مسٹر لائڈ جارج نے کہا

"روس کے ساتھ چار ماہ سے گفت و شنید جاری ہے مگر کسی کو علم نہیں کہ اس وقت صورتِ حال کیا ہے۔ تم (حکومت برطانیہ) دنیا کی سب سے زبردست فوجی طاقت سے معاملہ کر رہے ہو۔ تم اسے اپنی امداد کے لئے بلا رہے ہو۔ تم کسی دشمن سے بات چیت نہیں کر رہے بلکہ ایک دوست قوم سے جس کی امداد کی تم کو ضرورت ہے۔ مسٹر چیمبرلین نے ہٹلر سے بذات خود گفت و شنید کی۔ انہوں نے اور لارڈ ہیلی فکس نے روما کا سفر بھی کیا۔ وہ روما کو گئے۔ انہوں نے مسولینی کا جام صحت پیا۔ اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا۔ اور اسے کہا کہ تم بہت اچھے آدمی ہو۔ لیکن انہوں نے روس میں کس کو بھیجا ہے؟ انہوں نے وزارت کے

ادنیٰ سے ادنیٰ رکن کو بھی نہیں بھیجا بلکہ دفترِ خارجہ کے ایک کلرک (مسٹر سٹرینگ) کو بھیجا ہے۔ یہ تو ایک توہین ہے۔ پھر بھی ہماری حکومت روسیوں کی عظیم الشان فوج اور ہوائی بیڑے اور بہادر قوم کی مدد کی طلبگار ہے۔ جس سے زیادہ بہادر قوم صفحۂ ہستی پر نہیں اور جو اپنے باشندوں کی آزادی کے لئے بڑی مشکلوں میں سے گزر رہی ہے۔ اگر تم نے ان کی امداد حاصل کرنا ہے تو تمہیں وہاں کوئی ایسا شخص بھیجنا چاہیئے تھا جو ہمارے لئے بھی باعثِ عزت ہوتا اور ان کے لئے....

جو کارروائی اس وقت کی جاری ہے وہ تو نازک صورتِ حالات سے مذاق کے مترادف ہے۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔ کہ جس طریقہ پر کارروائی کی جا رہی ہے اس کے متعلق میرا کیا خیال ہے۔ اس اثنا میں ہٹلر ڈانزگ DANZIG کے شہر کو قلعہ بند کر رہا ہے۔ اور بیشتر اس کے کہ روسی برطانوی معاہدے پر دستخط ہوں ڈانزگ مسلح ہو چکا ہوگا۔ اور اسی طرح جرمنی کا شہر ہوگا۔ جس طرح بریسلاؤ BRSLAU یا برلن ہیں۔ ان میں (یعنی برطانیہ کی قومی وزارت میں) کوئی توازنِ دماغی نہیں ہے اور نہ وہ تمام واقعات کی نزاکت کو ہی سمجھ رہے ہیں حالانکہ دنیا ایک گہری کھڈ کے کنارے پر کانپتی کھڑی ہے اور آزادی کو چیلنج دیا جا رہا ہے۔

مگر مسٹر لائڈ جارج کا رونا کچھ کام نہ دیتا تھا۔ ان کی باتیں درست بھی ہوں تو برطانیہ کے لوگ ان پہ کان نہ دھرتے تھے۔ معاہدہ ورسائی اور دوسرے سب معاہدوں کی جو جنگ عظیم کے بعد ہوئے انہیں پر ذمہ داری تھی۔ وہی اس وقت برطانیہ کے وزیر اعظم اور صلح کانفرنس کے کرتا دھرتا ہوا کرتے تھے۔ بعد کے تمام حادثوں کی ذمہ داری انہیں کے کندھوں پہ ڈالی جاتی تھی اور اگرچہ خود نہیں ان کے فیصلوں کے خلاف عمل کر کے جو کچھ ان کے ملکوں کو خود ان فیصلوں سے حاصل ہوا تھا چھوڑنے کو تیار نہ تھیں پھر بھی وہ اور عام لوگ اپنی بد قسمتی کا الزام انہیں پر لگاتے تھے۔

مثلاً انگلستان کو مسٹر لائڈ جارج نے نو آبادیاں دے دی تھیں انگلستان نو آبادیاں جرمنی کو واپس نہ دیتا تھا مگر رائے عامہ مسٹر لائڈ جارج سے ناراض تھی کہ معاہدہ ورسائی میں اس نے جرمنی سے سختی کی۔ وہ پولینڈ سے جرمنی کا سمندر تک کا علاقہ واپس دلانے کو تیار نہ تھے مگر اپنی مصیبت کا الزام مسٹر لائڈ جارج پر لگاتے تھے۔ وہ آسٹریا کا علاقہ ہٹلر کے سپرد کرنے کو بھی تیار نہ تھے اور خوشی سے ایسا نہ چاہتے تھے۔ مگر وہ پھر بھی لائڈ جارج کو ظالمانہ فیصلہ کرنے کا مجرم گردانتے تھے اور اگر ہٹلر اس فیصلہ کے خلاف آسٹریا کو جرمنی سے ملاتا تھا تو اس کو بھی ظالم جابر اور معاہدہ شکن کہتے تھے۔

قوموں کی ذہنیت تعلیم و تربیت کے باوجود بچوں سے بڑھ کر

نہیں ہوتی ۔

برطانوی فوجی مشن روس کو

اس وقت یورپ میں بے چینی اور اضطراب زوروں پہ تھا ۔ جنگ کا اندیشہ بڑھ رہا تھا ۔ اگست کے آخری ہفتوں میں نازک گھڑی آنے کا خدشہ تھا اور جنگ کا بگل بجنے کی توقع تھی ۔

ماسکو کی حکومت اپنی پوزیشن سنبھالنے اور اپنا قطعی فیصلہ کرنے کے درپے تھی ۔ اس نے برطانیہ کی اصل پوزیشن کو مزید جلد پرکھنے اور آخری امیدوں کی بنیادوں کو ٹٹولنے کی پھر سعی کی ۔ اور ۲۳ جولائی کو حکومت برطانیہ سے کہا کہ ایک فوجی مشن ماسکو بھیجے تاکہ معاہدہ کے ساتھ ساتھ فوجی کاروائی کی سکیم پر بھی غور کر لیا جائے ۔

۲۵ جولائی کو برطانوی حکومت نے اس تجویز کو قبول کر لیا ۔ مگر پھر مشن کے ارکان کے انتخاب میں کنجوسی سے کام لیا اور وقت ضائع کرنے میں فیاضی سے ۔ روس کی حکومت یہ امید کر سکتی تھی کہ برطانیہ اور فرانس اپنے اپنے سپہ سالار اعظم اس مشن کے سردار بنا کر بھیجیں گے جو اپنی حکومتوں سے بار بار پوچھے بغیر خود ہی موقعہ پہ بہت سی باتیں طے کر سکتے ہوں لیکن اپنے لوگوں کے اصرار کرنے پر بھی ایسا نہ کیا گیا ۔ ادنیٰ افسروں کو مشن کا رکن بنا کر بھیجا گیا ۔ وہ روانہ بھی ۵ اگست کو ہوئے ۔ لندن

دنوں کی تاخیر کے بعد بھی وہ ہوائی جہازوں پر جانے کی بجائے ایک مال لانے والے جہاز پر سوار ہو کر چلے جو تیز رفتار نہ تھا۔ وہ چھ روز میں ماسکو پہنچے حالانکہ ہوائی جہاز سے ایک دن میں سفر طے ہو سکتا تھا۔

مگر برطانوی حکومت کی مصلحتیں انہی کو معلوم تھیں فوجی مشن نے تو جو کرنا تھا وہ ابھی کرنے کی تیاریوں میں ہی تھا کہ برطانیہ نے سیاسی گفت و شنید کے سلسلے کو توڑ کر مسٹر سٹرینگ کو لندن واپس بلا لیا۔ وہ ہوائی جہاز سے واپس آئے

۹ اگست کو لارڈ کیمزلے (KEMNSLEY) جو قدامت پسند پارٹی کے کئی اخباروں کے مالک ہیں خبر رسانی کے بارے میں بات چیت کے بہانے سے جرمنی گئے مگر عام طور پر یہ سمجھا گیا کہ وہ کوئی سیاسی سمجھوتہ کرنے بھیجے گئے ہیں۔ انہوں نے واپس آ کر ۲۰ اگست کو اپنے اخبار سنڈے گرافک (SUNDAY GRAPHIC) میں ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا جس میں جرمنی اطالیہ فرانس اور برطانیہ چار بڑی طاقتوں کی کانفرنس بلانے کی تحریک کی۔

پولینڈ کی آخری ضد

یہ سب چیزیں تو روس کو برگشتہ کرنے والی تھیں ہی۔ لیکن برطانوی لبرل دس اور دوسری چالوں کے علاوہ پولینڈ نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

فوجی مشنوں کے امکان سے گفتگو کرتے ہوئے روسی نمائندہ نے

کہا کہ اگر ہم نے پولینڈ کی امداد کرنا ہے تو یہ خیال کرنا پڑے گا کہ ہماری کوئی سرحد جرمنی سے نہیں ملتی اور اگر ہم نے جرمنی کے خلاف پولینڈ کی مدد کو پہنچنا ہے تو ہمیں پولینڈ سے فوجیں گذار کر جرمنی سے جنگ کرنا ہوگی فرانس اور برطانیہ کے نمائندوں نے کہا کہ ہم اس بارے میں پولینڈ سے بات چیت کر کے جواب دیں گے۔ وہ یہ جواب لے کر پلٹے۔ کہ پولینڈ کی حکومت روسی امداد کی خواہاں نہیں۔ وہ اس کی ضرورت نہیں سمجھتی اور بغیر کسی مدد کے جرمنی سے نپٹنے کے لئے تیار ہے فرانس اور برطانیہ نے اس جواب سے بے اطمینانی اور اختلاف ظاہر نہ کیا بلکہ وہ بھی اسی سے متفق نظر آئے انہوں نے اب بھی پولینڈ سے یہ نہ کہا کہ اگر تم روس کی امداد کے محتاج نہیں اور اس کو ساتھ لینا مناسب نہیں سمجھتے حالانکہ ہم تم ایسا کرنا ضروری جانتے ہیں اس لئے اگر تم ہماری بات نہ مانو گے تو ہم بھی تمہاری امداد سے دست کش ہو جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روسی حکومت کی آنکھیں اور کھلیں۔ جن لوگوں کو وہ بچانے کی فکر میں تھی وہ اُس کی امداد بھی نہ صرف ہیچ سمجھتے تھے بلکہ امداد کے نام ہی سے نفرت کرتے تھے۔

مولوٹوف اور سٹالین اپنی تقریروں میں پہلے ہی اپنے خدشات کا اظہار کر چکے تھے۔ اب ان کے سامنے نئی راہ تلاش کرنے کی مجبوری درپیش آئی۔ یہ اُس کے درمیانی حصے کے واقعات تھے۔

برطانیہ نے کیا سوچا تھا

یہاں پر ہمیں دیکھنا ہے کہ یہ سب کچھ اس حد تک کیوں پہنچا اور جمہوری طاقتوں نے جو کچھ کیا وہ کیوں کیا۔

یہ سمجھنا مشکل ہے کہ پولینڈ خود ہی روس کے خلاف چٹان بن کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اگر برطانیہ اور فرانس کی باہمی سیاست روس سے سمجھوتہ کرنا واجب سمجھتی تو وہ پولینڈ کو اپنی بات ماننے پر مجبور کر سکتے تھے کیونکہ ان کی امداد کے بغیر پولینڈ کی حالت چیکوسلواکیہ سے بہتر نہ تھی۔

یہ سمجھنا بھی مشکل ہے کہ برطانیہ اور فرانس روس کو ساتھ لے کر جنگ کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ پولینڈ کو اس قدر ضد نہ کرنے دیتے

یہ صاف ہے کہ پولینڈ کو ضمانت دیکر برطانیہ نے جرمنی سے جنگ کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ ایسے فیصلے کے بغیر ضمانت دینا بے معنی تھا اور وہ بھی چیکوسلواکیہ اور میمل پر ہٹلر کا قبضہ ہونے کے بعد۔ مزید براں یہ ضمانت اس وقت دی گئی اور قبول کی گئی جب پولینڈ کو سلوواکیہ کا کچھ علاقہ جرمنی کی بدولت مل چکا تھا۔ یہ علاقہ لینے کے بعد بھی پولینڈ نے برطانیہ اور فرانس کی مدد سے جرمنی کا مقابلہ کرنیکا ارادہ کیا اور ضمانت قبول کر کے جنگ کی طرح ڈالی

ان سب باتوں سے یہ قیاس کرنے کی زبردست گنجائش پیدا ہوتی

ہے کہ گو برطانیہ اور فرانس کی عام آبادی روس کو ساتھ ملے کر جنگ کرنے کی خواہاں تھی اُن دونوں ملکوں کی حکومتیں اور بالخصوص برطانیہ کی حکومت روس کو ساتھ لے کر اسے مرکزی اور مغربی یورپ میں جمہوریت اور آزادی کا حامی دیکھنا پسند نہ کرتی تھی تاکہ روسی اثر فائق ہو کر ہر طرف انقلاب پیدا نہ کر دے۔ علاوہ ازیں برطانیہ اور فرانس کی قوت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اِن کی آبادیاں بے شمار۔ اِن کی نوآبادیاں لاتعداد۔ ان کی دولت لامنتہاہی۔ ان کے وسائل غیر مختتم وہ یورپ افریقہ، ایشیا اور امریکہ میں ہر طرح کی امداد حاصل کر سکتے تھے ریاستہائے متحدہ امریکہ کی امداد کا بھی اِن کو بھروسہ ہو سکتا تھا۔ اور غالباً باہمی گفتگو ہو کر فیصلہ کیا جا چکا تھا۔

امریکہ کی امداد کے بعد روس کی امداد کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی طول وطویل گفتگو میں یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ روس مبارزین کے جارحانہ اقدامات کے قطعی خلاف ہے اس لئے وہ جرمنی کا ساتھ دیکر جنگ نہ لڑیگا۔ ادھر مسولینی خواہ مکاری سے اور خواہ دیانتداری سے یہ کہہ رہا تھا کہ وہ جنگ کی صورت میں غیر جانبدار رہیگا اور بعد کے واقعات نے ایسا ہی بتایا۔ جاپان بھی چین میں الجھکر رہ چکا تھا اور جرمنی کے لئے

زیادہ کارآمد نہ ہوسکتا تھا۔ رومانیہ ابھی تک برطانیہ اور فرانس کی دوستی کا دم بھر رہا تھا اور اس کی مدد کے بغیر جرمنی چھ ماہ بھی جنگ نہ کر سکتا تھا۔ یونان اور ترکی بھی جرمنی سے آزردہ خاطر تھے۔ ہسپانیہ میں فرانکو اپنے اجڑے ہوئے ملک کو از سر نو آباد کرنے کے لئے ہر طرف امداد اور قرضہ طلبی کا ہاتھ پھیلا رہا تھا۔ ان حالات میں جرمنی کب تک جنگ کر سکے گا؟ برطانیہ کا بیڑا اس کی ناکہ بندی کرے گا اسی لئے تحدید اسلحہ کانفرنس میں برطانیہ نے اپنا بیڑا کم کرنے کی تجویز قبول نہ کی تھی۔ جرمنی کے پاس تربیت یافتہ فوج اور تجربہ کار فوجی افسر کہاں؟ وہ تو کئی سال پابندیوں میں جکڑا رہا ہے۔ فرانس اسی لئے اپنی فوجی طاقت اور اسلحہ کو کم کرنے کو تیار نہ تھا۔ پولینڈ نے اپنی آمدنی کا نصف حصہ سامان جنگ اور فوج کی تیاری پر صرف کر دیا تھا۔ اس کا مقابلہ کون کرسکیگا پولینڈ کے ساتھ رومانیہ کی تیس لاکھ فوج بھی کسی وقت مدد کو آسکتی ہے پھر جرمنی کا کیا خوف ہے؟

الغرض برطانیہ فرانس اور پولینڈ تینوں ملک جرمنی کو جلدی فوجی شکست دینے کی غالب امید رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے روس کی امداد کی ضرورت نہ سمجھی

اس طرح برطانیہ کی سرد مہری اور پولینڈ کی شعلہ مزاجی نے روس

کو ٹھکرا کر جرمنی کی پناہ پر کھڑا کر دیا۔

روس نے کیا سوچا تھا اور اسے کیا کرنا پڑا

یہاں یہ دیکھنا بھی مناسب ہے کہ روس نے معاہدے کے لئے اس قدر صبر آزما کوششیں کیوں جاری رکھیں۔ روس کی انقلابی ذہنیت کو جس طرح امریکہ اور برطانیہ کے حکمراں طبقوں سے خطرہ تھا۔ اسی طرح جاپان اور جرمنی کے حکمراں طبقوں سے تھا۔ مگر اس کے مشرق میں جاپان علم جنگ بلند کئے تھا اور اس کے مغرب میں جرمنی کی طاقت روز بروز ترقی پکڑ رہی تھی ہٹلر میری کہانی کے زمانے سے لے کر سنہ ۱۹۳۶ء تک سالہا اشتراکیت یا بالشویزم کے خلاف زہر اُگلتا رہا تھا اور یوکرین پر قبضہ کی جرمن "سکیم" میری کہانی" میں جنم لے چکی تھی۔ اس لئے روس کی ذاتی ضرورت یہ تھی کہ وہ مخالف طاقتیں جو اس کی سرحدوں پر ہیں نیچا دیکھیں تاکہ روس کا نو زائیدہ انقلاب بیرونی اور اندرونی رجعت پسندوں کے ہاتھ سے کچلا نہ جائے۔

برطانیہ اور فرانس بھی روس کی اس ضرورت کو سمجھ کر جاپان اور جرمنی کو شہ دیتے تھے کہ وہ اُن کی طرف بڑھنے کی بجائے روس کی طرف بڑھیں۔

روس نے جرمنی جاپان اور اطالیہ کی روز افزوں طاقت کو دیکھ کر جانچا کہ برطانیہ اور فرانس کو ساتھ لے کر ان سے ٹکر لینا مناسب ہے۔ مگر برطانیہ نے وہ کھیل کھیلنا پسند نہ کیا جو روس کو تقویت پہنچا سکتا تھا۔

اب روس کے لئے دو ہی راستے تھے۔ یا وہ تن تنہا جرمنی اور جاپان سے ٹکرا جاتا اور ساتھ ہی اطالیہ کی دشمنی بھی مول لیتا۔ پھر پولینڈ رومانیہ۔ فن لینڈ۔ بالٹک کی ریاستیں سب جرمنی کے ساتھ ہوتیں اور فرانس امریکہ اور برطانیہ بھی جرمن اور جاپان کی مزاحمت نہ کرتے بلکہ ہو سکتا تو ان کو مالی اور اقتصادی امداد دیتے۔

یا روس کے لئے یہ راستہ تھا کہ وہ جرمنی کی مجبوریوں کو دیکھ کر اس کا حوصلہ بڑھائے کہ اگر برطانیہ اور فرانس روس کو دیکھنا پسند نہیں کرتے تو وہ جرمنی کے برطانیہ اور فرانس سے الجھنے میں روڑا نہ اٹکائے اور اپنے خلاف ان سب حکومتوں کا ایک گٹھ جوڑ بننے کی نوبت نہ آنے دے۔

روس نے سب حالات کا جائزہ لے کر جرمنی سے دوستانہ تعلقات پیدا کئے اور اپنی مصیبتوں کو کچھ عرصے کے لئے ٹالنا ہی مناسب سمجھا اس کو خطرہ تھا کہ جرمنی اور جاپان کی کامیابی اس کی موت کا سبب ہو سکتی ہے۔ لیکن جرمنی اور برطانیہ کی صلح اس سے بھی زیادہ اس کی فوری موت کا باعث ہو سکتی تھی۔

اس نے فیصلہ کیا کہ جرمنی اور برطانیہ کو الجھنے دو۔ جمہوری اور فسطائی طاقتوں کو دست و گریباں ہونے دو۔ کوئی جیتے کوئی ہارے۔ زندگی اور موت کی کشمکش سے گزر کر ان میں سے کوئی فریق بھی اس قابل نہ ہوگا کہ باقاعدہ مسلح ہونے والی اور نئے سے نئے سامان جنگ سے آراستہ ہونے والی روسی فوج۔ روسی ہوائی بیڑے اور روسی سمندری بیڑے سے جلدی مقابلہ کر سکے۔ اس کو یہ بھی امید تھی کہ جنگ کا نتیجہ جیسا پہلی جنگ عظیم میں یا روس میں انقلاب کی شکل میں ظاہر ہوا اسی طرح شاید ایک یا زیادہ ملک دوسری جنگ میں بھی مزدور انقلاب کے حامی بن کر نکلیں۔ جرمنی بالشویک ہو جائے یا فرانس یا برطانیہ سٹالین کے لئے کسی ایک کا ہمنوائے انقلاب ہو جانا عین راحت تھا۔

روس کی جوابی ضرب

ایسی کشمکش میں پولینڈ کی روس دشمنی اور برطانیہ و فرانس کی مصلحت کوشی سے برداشتہ خاطر ہو کر روس نے جرمنی کی بہتری تعلقات کی تحریک کو لبیک کہا۔

۱۹ اگست کو جب ابھی لارڈ کیمرسے اپنا وہ مضمون لکھ رہے تھے جو ۲۰ کو شائع ہوا روس اور جرمنی میں تجارتی معاہدہ کی شرائط طے ہو گئیں۔

پانسہ پلٹ چکا تھا۔ روسی گھوڑا اپنی ڈھائی گھر کی چال چل کر جمہوری خانہ سے اٹھا اور ڈکٹیٹری کے خانہ میں جا گزیں ہوا برطانیہ اور فرانس کے فوجی مشن ابھی ماسکو میں ہی تھے کہ ۲۳ اگست کو جرمنی اور روس کے درمیان عدم مبارزت، کا معاہدہ ہو گیا جس میں فریقین نے ایک دوسرے پہ حملہ کرنے سے احتراز کا فیصلہ کیا۔

۲۶ر اگست کو اتحادی فوجی مشن بیکار ہو کر ماسکو سے واپس لوٹے ۲۶ر اور ۳۱ر اگست کے درمیان جرمنی نے پولینڈ سے ڈانزگ اور راستے کے علاقے کے بارے میں مطالبات کئے۔ فریقین جنگ کے لئے کمربستہ تھے۔ ہٹلر روس سے راضی نامہ کرنے کے بعد وقت ضائع نہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ اتحادیوں کو اور وقت دینے کو تیار نہ تھا۔ اس نے دو روز کے اندر اندر اپنے مطالبات کا جواب طلب کیا۔ اس زمانے کی تاریخ بہت، پریشان اور الجھی ہوئی ہے ....

- - - - - - - - - - - - - - - - -

الغرض یکم ستمبر کو ہٹلر نے پولینڈ پہ ہر طرف سے چڑھائی شروع کر دی ۔ ڈیڑھ ہزار میل کے محاذ پہ جنگ ہونے لگی ۔ ۳ ستمبر کو برطانیہ نے اور ۴ر کو فرانس نے اعلان جنگ کیا اور وہ شعلے جو ایک عرصے سے بیقرار تھے دنیا کے خرمن امن کو خاکستر کرنے لگے ۔

خطوطِ افضل حق

یہ وہ خطوط ہیں جو چوہدری افضل حق صاحب مرحوم نے اپنی آخری اسیری کے زمانے میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے ان میں ادیب و مفکر افضل حق ایک معلّم اخلاق کی حیثیت میں نظر آتا ہے۔ اخلاق و عادات کے انمول رتن ان خطوط میں پیش کئے گئے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے خطوط کے بعد چوہدری صاحب مرحوم کے خطوط اُردو کی ادبی دُنیا میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ ہر والد کو یہ خطوط اپنے بچوں کو تحفۃً پیش کرنے چاہئیں۔ دیباچہ مولانا مظہر علی اظہر نے تحریر فرمایا ہے۔ کتابت، طباعت، دیدہ زیب، کاغذ عمدہ، ضخامت اسّی (۸۰) صفحات۔ قیمت آٹھ آنے (۸ر)

ملنے کا پتہ

"زمزم بُک ایجنسی" لاہور